محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۳۸

مجرم کا خوف

اشتیاق احمد

نام ناول ـــــ مُجرم کا خوف

طابع ـــــ اشتیاق احمد

طبعِ دوم ـــــ اپریل ۱۹۹۴ء

کتابت ـــــ سعید نامدار

سرورق ـــــ طاہر ایس ملک

قانونی مشیر ـــــ اعجاز احمد ایڈووکیٹ

مطبع ـــــ عظیم علیم پرنٹرز

قیمت ـــــ دس روپے

حضرت عبد اللہ بن جعفر نے ابنِ زبیر سے حدیث بیان کی۔ انھوں نے لوگوں کے لیے ایک اونٹ ذبح کیا تھا کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گوشت ڈال رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، سب میں پاکیزہ اور عمدہ گوشت پُٹھے کا گوشت ہوتا ہے۔

سُنن ابنِ ماجہ شریف ، جلد سوم

صفحہ نمبر ۶۳ ، حدیث نمبر ۱۹۳

(یہ پسلی کا گوشت بھی زیادہ لطیف اور عمدہ ہوتا ہے، اسی طرح گردن کا گوشت بے ریشہ اور نفیس ہوتا ہے)

السلام علیکم! "مجرم کا خوف" آپ کو دوسرے ناولوں کی نسبت بالکل مختلف
کہانی محسوس ہو گی۔ اس میں آپ مجرم کی تلاش میں مارے مارے
پھرتے نظر نہیں آئیں گے، چلیے، آپ نہ سہی، محمود، فاروق، فرزانہ
اور انسپکٹر جمشید سہی۔ انہوں نے بھی مجرم کو تلاش کرنے کی
ضرورت محسوس نہیں کی.... فاروق کے نزدیک یہ کیس کیا تھا،
آپ پڑھ ہی لیں گے، لیکن ناول کے آخر میں آپ شاید حیرت زدہ
بھی رہ جائیں، کیونکہ انجام آپ کی امید کے بالکل الٹ نکلے گا،
اور یقیناً آپ کو پسند آئے گا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بالکل پسند
نہ آئے.... خیر یہ تو آپ کی پسند کا معاملہ ہے، اس میں میں بے چارہ
.... ٹانگ اڑا بھی بیٹھوں تو بھی کچھ مفید نتیجہ برآمد ہونے کی امید
نہیں، لہٰذا اس بے ڈھنگی کوشش کا کیا فائدہ، ویسے تو یہ فائدے
اور نفعے کا چکر بھی عجیب چکر ہے، ساری دنیا اس چکر میں چکرا
رہی ہے.... مجھے بھی لوگ عجیب و غریب طعنے دے کر چکراتے
رہتے ہیں، کیا کیا جائے، کیا کر سکتا ہوں.... امید ہے، یہ
اوٹ پٹانگ دو باتیں بالکل پسند نہیں آئیں گی، شکریہ۔

باکسنگ

آج فاروق اور فرزانہ کے درمیان باکسنگ کا مقابلہ تھا۔ مقابلہ پائیں
باغ میں ہونے والا تھا۔ تیاری تو وہ بہت دنوں سے کر رہے تھے،
درمیان میں دو ایک بار ان میں مقابلہ ہونے کا دن طے بھی ہو گیا،
لیکن درمیان کوئی نہ کوئی بات ہو جاتی، کوئی چکر چل جاتا اور مقابلے
کا پروگرام کینسل ہو جاتا۔ لیکن آج انہوں نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ مقابلہ
ضرور ہو گا۔ مقابلے کے لیے باقاعدہ رنگ تیار کیا گیا تھا۔ محمود
دونوں کی تیاریوں کو مسکرا مسکرا کر دیکھ رہا تھا، ان پر ہنس رہا
تھا، اچانک اس نے کہا۔

"لیکن بھئی! اس مقابلے کو دیکھے گا کون؟"

"میں اور فرزانہ.... تم کیوں جلے جا رہے ہو" فاروق نے
بھنا کر کہا۔

"امی جان اور ابا جان؟"

"ہماری طرف سے سب کو اجازت ہے، ہم کوئی چھپ کر یہ
مقابلہ کریں گے نہیں" فرزانہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"اگر میری مانو تو بہت لطف آ سکتا ہے۔" محمود نے پراسرار لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" دونوں چونکے۔

"ابھی صرف دس بجے ہیں، مقابلہ شام کو چار بجے ہونا ہے، چھٹی کا دن ہے، ابا جان تو پہلے ہی گھر میں موجود ہیں، امی جان بھی موجود ہیں، تو کیوں نہ یہ مقابلہ دیکھنے کی دعوت انکل خان رحمان اور پروفیسر انکل وغیرہ کو بھی دی جائے۔"

"ویری گڈ! تجویز تو بہت شاندار ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ تم نے یہ تجویز پیش کیوں کی؟" فاروق بولا۔

"کیوں! کیا میرے لیے اس گھر میں تجویز پیش کرنے کی ممانعت ہے؟" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"بات یہ نہیں، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم باکسنگ کو وحشیانہ کھیل خیال کرتے ہو، اس کے مخالف ہو، پھر اس مقابلے میں اتنے بہت سے لوگوں کو بلانے کی تجویز کیوں پیش کر رہے ہو؟"

"بس! میں نے سوچا، اب تم مقابلہ کیے بغیر تو مانو گے نہیں، پھر کیوں نہ مقابلہ ذرا اہتمام سے کیا جائے، کچھ دیکھنے والے ہوں گے تو مقابلہ کرنے والوں کو مزا بھی آئے گا۔"

"تمہاری باتوں میں بے پناہ وزن ہے، حالانکہ اتنی باوزن باتیں عام طور پر فرزانہ کیا کرتی ہے، خیر! آج تمہاری ہی طرف سے سہی،

ہمیں منظور ہے۔ لیکن ہماری ایک شرط ہے،" فاروق نے کہا۔

"ٹھیک ہے، شرط بتاؤ۔"

"شرط یہ ہے کہ ان لوگوں کو دعوت تم دو گے۔"

"چلو! میں دیے دیتا ہوں، تم کیا چاہتے ہو، دعوت کس طرح دی جائے، فون پر اطلاع دوں، یا باقاعدہ دعوت نامے لکھوں؟" محمود نے پوچھا۔

"باقاعدہ دعوت نامے لکھنے کے بعد تو انہیں لے کر بھی جانا پڑے گا اور اس میں وقت ضائع ہو گا، جب یہ کام فون کے ذریعے ہو سکتا ہے تو پھر کیوں پٹرول ضائع کیا جائے، کیوں وقت برباد کیا جائے۔" فرزانہ نے کہا۔

"تمہاری بھی باتوں میں وزن پیدا ہو گیا ہے۔"

"یا اللہ رحم! ہلکی پھلکی باتوں والا تو شاید ایک میں رہ گیا ہوں۔" فاروق نے آسمان کی طرف دیکھا۔

"اب اس سلسلے میں ایک اور الجھن بھی ہے۔" محمود نے کچھ سوچ کر کہا۔

"لو! اب الجھنیں بھی پیدا ہونے لگیں، بھلا اس پروگرام میں الجھن کا کیا کام؟" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں، یہ کوئی ایسی بڑی الجھن نہیں ہے جو حل نہیں ہو سکے گی، بھئی جب ہم ان لوگوں کو بلائیں گے تو ظاہر ہے، کم از کم

ان کے لیے شام کی چائے کا تو بندوبست کرنا ہو گا، لہٰذا دعوت
دینے سے پہلے امی جان یا ابا جان سے اجازت لے لینا چاہیے
"ابا جان تو شاید اس کی اجازت نہیں دیں گے، یہی بہت ہے کہ
انہوں نے باکسنگ کے مقابلے کی مخالفت نہیں کی۔" فرزانہ
نے کہا۔

"میں نے اسی لیے امی جان یا ابا جان کہا ہے، اگر تم امی
جان سے بات کرو تو وہ خوشی سے اجازت دے دیں گی اور
ابا جان سے کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔" محمود نے کہا۔

"لیکن شام کو جب سب لوگ آئیں گے، اس وقت تو انہیں
معلوم ہو گا ہی۔"

"لیکن اس وقت وہ بھلا ہمیں کیا کہہ سکیں گے، ان کی عادت ہے
..... وقت گزرنے کے بعد ہمیں کبھی کچھ نہیں کہتے، کیونکہ اس وقت
کچھ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ اٹھیں گے،
میں تنگ آ گیا ہوں تمہاری ان حرکتوں سے۔"

"چلو ٹھیک ہے، میں پہلے امی جان کے پاس جاتی ہوں۔" فرزانہ نے
کہا اور ان کے پاس سے اٹھ کر بیگم جمشید کے پاس پہنچیں، وہ
اس وقت اخبار کے مطالعے میں مصروف تھیں۔

"امی جان! آپ کو معلوم ہی ہے، آج میرا اور فاروق کا باکسنگ
کا مقابلہ ہو رہا ہے۔" اس نے بات شروع کی۔

"ہاں! جانتی ہوں، بھلا یہ بھی کوئی بھولنے والی بات ہے۔"

"لیکن محمود کا کہنا ہے کہ اس طرح مزا نہیں آئے گا۔"

"شاید وہ یہ بات اس لیے کہہ رہا ہے کہ باکسنگ کے خلاف
ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"جی نہیں، یہ بات نہیں، اس کا خیال ہے، اس مقابلے کو
دیکھنے کے لیے کچھ اور لوگوں کو بھی آنا چاہیے، مثلاً انکل خان
رحمان اور ان کے بچوں کو۔ پروفیسر انکل اور شائستہ کو۔"

"بات تو خوب ہے، مجھے بھی شہناز سے ملے کافی دن ہو گئے
ہیں۔" انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پھر کیا آپ کی اجازت ہے، بلا لیں ان لوگوں کو۔"

"ہاں ضرور، کیوں نہیں، دلچسپ پروگرام رہے گا، لیکن تم ایک
مہمان کو بھول رہے ہو، انہیں بلانا بھی ضروری ہے۔"

"اور وہ کون؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"بیگم شیرازی..... ان کا حق بھی بہت زیادہ ہے، آخر وہ ہماری
پڑوسی ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"آپ نے بالکل ٹھیک فرمایا، ہمیں خود ہی ان کے بارے میں
بھی سوچنا چاہیے تھا۔" فرزانہ کے لہجے میں شرمندگی تھی۔

"تو جاؤ، ان لوگوں کو دعوت دے دو۔"

"لیکن فکر نہ کرو، میں سمجھتی ہوں، میں سب تیاری کر لوں گی۔"

"انسپکٹر جمشید لائبریری میں تھے۔ اس لیے انہیں اس پروگرام کی کوئی خبر نہ ہوئی، چھٹی کا دن وہ عام طور پر لائبریری میں گزارتے تھے۔ فرزانہ اپنی امی جان کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آئی۔

"کیا رہا؟" فاروق نے پوچھا۔

"کامیابی!" اس نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر میں فون کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر محمود نے فون کا ریسیور اٹھایا اور خان رحمان کے نمبر ڈائل کرنے لگا، سلسلہ فوراً ہی مل گیا۔ دوسری طرف سے ظہور کی اکڑی ہوئی آواز سنائی دی۔

"میں ظہور احمد خان ہوں.... فرمایئے، آپ کون ہیں، کیا چاہتے ہیں۔"

"میں محمود ہوں اور انکل سے بات کرنا چاہتا ہوں، شاید آج تمہیں کان نہیں پکڑنے پڑے، اسی لیے اس قدر اکڑے ہوئے لہجے میں بات کر رہے ہو۔"

"اوہو، تو یہ آپ ہیں، آج مجھے کان پکڑنے کی بجائے انعام ملا ہے۔" اس نے فوراً جواب دیا۔

"ارے! وہ کیسے، یہ میں آج کیا نئی بات سن رہا ہوں۔"

"دراصل آج میں نے ایک ہی وقت میں ہانڈیاں تیار کی ہیں، اور ان میں سے صرف ایک جلائی۔" ظہور نے بتایا۔

"ارے! تو پھر انعام کیسے مل گیا۔"

"اس طرح کہ میں نے تینوں کی تینوں ہانڈیاں نہیں جلا دیں۔"

"بھئی بہت خوب! اچھا یہ تو بتاؤ، انعام کیا ملا ہے۔"

"سو روپے کا ایک نوٹ اور ایک دن کی چھٹی۔" اس نے کہا۔

"مبارک ہو، اب ذرا جلدی سے انکل کو بلا دو۔"

"ابھی لیجیے۔" اس نے کہا۔ چند سیکنڈ بعد خان رحمان کی آواز سنائی دی:

"ہیلو محمود، سناؤ، کیا حال ہے، جمشید کہاں ہے۔"

"جی، لائبریری میں، ہم سب خیریت سے ہیں، اس وقت آپ کو فون اس لیے کیا ہے کہ آج شام چار بجے فاروق اور فرزانہ میں باکسنگ کا مقابلہ ہو رہا ہے، آپ کو اس مقابلے کی عام دعوت دی جاتی ہے، عام سے مراد یہ کہ آپ سب لوگ آئیں گے.... اور ظہور کو بھی لے کر آئیں۔"

"کیوں، اسے کس لیے، کیا اپنے گھر کی کوئی ہانڈی جلوانی ہے۔" خان رحمان نے چونک کر کہا۔

"جی نہیں، ہمارا ایسا کوئی پروگرام نہیں، اس سے بھی ملے کافی دن ہو گئے ہیں۔"

"اچھی بات ہے، اسے بھی لے آؤں گا۔" انہوں نے کہا۔

اب محمود نے پروفیسر داؤد کے نمبر گھمائے۔ انہوں نے بھی فوراً جواب دیا:

"انکل! یہ میں ہوں محمود! آج شام چار بجے فاروق اور فرزانہ میں باکسنگ کا مقابلہ ہو رہا ہے، آپ کو اور شائستہ کو دعوت عام دی جاتی ہے، انکل خان رحمان بھی آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے، لیکن بھئی یہ باکسنگ کے مقابلے کی کیا سوجھی۔" انہوں نے کہا۔

"جی بس...... فاروق اور فرزانہ کے سر پر بھوت سوار ہو گیا۔"

"اور تمہارا سر اس بھوت سے محفوظ رہ گیا۔" پروفیسر داؤد ہنسے۔

"جی ہاں! یہی سمجھ لیجیے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"ٹھیک ہے، میں ساڑھے تین بجے کے قریب پہنچ جاؤں گا، بے فکر رہو۔"

"شکریہ انکل۔" اس کے بعد محمود جا کر بیگم شیرازی کو بھی دعوت دے آیا۔

اب انہوں نے مہمانوں کی آمد کے سلسلے میں تیاری شروع کر دی...... رنگ کے چاروں طرف کرسیاں وغیرہ بھی تو بچھانا تھیں۔ ٹھیک ساڑھے تین بجے دروازے کی گھنٹی بجی۔

○

محمود نے دروازہ کھولا، خان رحمان، شہناز بیگم، حامد، سرور

اور ناز کھڑے تھے۔ وہ انہیں لے کر اندر آیا......

"جمشید کہاں ہے؟" خان رحمان نے پوچھا۔

"ابھی تک لائبریری میں ہیں۔"

"حد ہو گئی، اتنا لمبا مطالعہ۔" یہ کہہ کر وہ سیدھے لائبریری کی طرف چلے گئے، شہناز بیگم نے باورچی خانے کا رخ کیا اور حامد، سرور، ناز ان کے کمرے میں آ گئے۔ ابھی بیٹھے بھی نہیں پائے تھے کہ گھنٹی بجی۔

"پروفیسر انکل بھی آ گئے۔" محمود نے کہا اور وہ سب دروازے پر پہنچ گئے، شائستہ کو انہوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

"جمشید کہاں ہے؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"جی لائبریری میں۔"

"گھر میں مہمان آئے ہیں اور وہ حضرت لائبریری میں گھسے ہوئے ہیں۔" انہوں نے برا سا منہ بنا کر کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتے لائبریری کی طرف چلے گئے۔

ادھر خان رحمان لائبریری میں داخل ہوتے ہی بولے:

"یار تم عجیب آدمی ہو۔"

"ارے رحمان تم۔" انسپکٹر جمشید زور سے چونکے، ہاتھ میں پکڑی ہوئی موٹی سی کتاب انہوں نے میز پر الٹ دی۔

"بھئی گھر میں مہمانوں کی آمد آمد ہے اور تم لائبریری میں گھسے ہوئے ہو۔"

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم آنے والے ہو تو میں پہلے سے تمہارے استقبال کے لیے تیار ہوتا۔"

"ہائیں! یعنی کہ تمہیں معلوم ہی نہیں۔"

اسی وقت پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

"حیرت ہے، آخر یہ لائبریری میں کیا ہو رہا ہے...."

"اوہو، پروفیسر صاحب بھی آ گئے۔ کیا یہ کوئی محمود، فاروق اور فرزانہ کی شرارت ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"کیا مطلب؟" پروفیسر داؤد نے حیران ہو کر کہا، یعنی تمہیں معلو ہی نہیں، گھر میں کیا ہونے والا ہے۔"

"مجھے اتنا تو معلوم ہے کہ آج چار بجے فاروق اور فرزانہ کا باکسنگ کا مقابلہ ہونے والا ہے، کیا آپ لوگ بھی اس سلسلے میں آئے ہیں۔" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! لیکن ہم بن بلائے مہمان نہیں ہیں۔" خان رحمان بولے

"یار میں تنگ آ گیا ہوں، ان کی حرکتوں سے، اگر آپ لوگوں کو دعوت دی جاتی تو کم از کم مجھے بتا تو دیتے.... چلیے باہر چلیں۔" وہ ان کے ساتھ باہر آئے، شہناز بیگم اور بیگم جمشید بھی میز تک پہنچ چکی تھیں۔

"کہاں ہیں یہ شیطان؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی! کون سے شیطان؟" بیگم جمشید نے حیران ہو کر پوچھا، حالانکہ وہ سمجھ گئی تھیں کہ ان کی مراد کن سے ہے، انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اس دعوت کے سلسلے میں تینوں نے ان کے خاوند کو بے خبر رکھا ہے۔

"میں محمود، فاروق اور فرزانہ کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔"

"ارے! آپ انہیں شیطان کہہ رہے ہیں۔" بیگم جمشید کے منہ سے نکلا، اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ محمود جلدی سے اپنے کمرے سے نکلا اور سب کو صحن میں جمع دیکھ کر بولا:

"بھئی تم سب لوگ بھی باہر آ جاؤ.... محفل کی رونق بڑھ گئی ہے۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف چل پڑا۔ اس مرتبہ بیگم شیرازی آئی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں گلاب کے پھولوں کے دو ہار تھے۔ انہوں نے ایک ہار فرزانہ کے اور دوسرا فاروق کے گلے میں ڈال دیا۔

"یہ میں اپنے ہاتھ سے بنا کر لائی ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ آنٹی۔"

ابھی چار بجنے میں چند منٹ باقی تھے۔ اس لیے تجویز یہ ٹھہری کہ ایک ایک کپ چائے کا پی لیا جائے اور اس مقابلے کی خوشی میں باقاعدہ چائے مقابلے کے بعد میں پی جائے۔ سب

کو یہ تجویز پسند آئی۔ ابھی چائے کے کپوں کی طرف ہاتھ بڑھے ہی تھے کہ گھنٹی ایک بار پھر بجی۔ سب نے ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، آخر محمود اٹھ کر دروازے کی طرف چلا گیا اور حیران رہ گیا۔ وہاں ڈی آئی جی نثار احمد خاں کھڑے تھے۔

"آپ!" محمود کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا، پہلا خیال اس کے دماغ میں یہ آیا کہ آج پھر فاروق اور فرزانہ میں باکسنگ نہیں ہو سکے گی۔

"سب لوگ کہاں ہیں؟" خان صاحب نے پوچھا۔

"جی صحن میں۔" وہ انہیں لے کر اندر آیا۔ فاروق اور فرزانہ انہیں دیکھ کر بوکھلا گئے کہ شاید شروع ہوا کوئی چکر، لیکن انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں، میں بھی باکسنگ کا مقابلہ دیکھنے آیا ہوں۔"

"ارے!" ان سب کے منہ سے نکلا۔ سب لوگ خان صاحب کے استقبال میں کھڑے ہو گئے تھے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے پروفیسر داؤد نے دعوت دی تھی۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے، محمود کا فون ملنے کے فوراً بعد خان صاحب کا فون ملا تھا، یہ مجھے شام کی چائے کے لیے اپنے ہاں بلانا چاہتے تھے، میں نے انہیں بتا دیا کہ ان سے پہلے میں یہاں

یہاں آنے کا وعدہ کر چکا ہوں اور یہ بھی بتا دیا کہ کس سلسلے میں ..... چنانچہ انہوں نے اپنے ہاں کا پروگرام ختم کر دیا۔"

"اور اس کے بعد میرے جی میں آئی کہ مجھے بھی یہ مقابلہ دیکھنا چاہیے۔"

"بہت بہت شکریہ جناب کہ آپ بھی تشریف لائے۔"

سب نے ایک ایک کپ چائے کا پیا اور پھر ٹھیک چار بجنے میں پانچ منٹ پر پائیں باغ میں پہنچ گئے۔

"بھئی واہ! یہاں تو باقاعدہ رنگ بنا ہوا ہے۔" خان صاحب خوش ہو کر بولے۔

"جی ہاں! اور مقابلہ بھی باقاعدہ ہو گا..... لیکن پہلے یہ فیصلہ ہو جائے کہ ریفری کے فرائض کون انجام دے گا۔" پروفیسر بولے۔

"میں خان رحمان کا نام تجویز کرتا ہوں، کیونکہ باکسنگ کے مقابلے دیکھنے کا شوق انہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"فاروق یا فرزانہ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں تیار ہوں۔" خان رحمان نے کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" فرزانہ نے کہا

"مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔" فاروق بولا۔

"ٹھیک ہے، رنگ میں آجاؤ، کیونکہ چار بجنے میں ایک منٹ باقی ہے۔" خان رحمان بولے۔

فاروق اور فرزانہ رنگ میں آ گئے۔ خان رحمان بھی رسی پھلانگ آئے۔ فاروق نے اپنے کپڑے اتار دیے۔ فرزانہ نے کمر کے گرد دوپٹہ باندھ لیا۔ خان رحمان انہیں باکسنگ کے اصول بتانے کے بعد بولے:

"تم دونوں کو معلوم ہی ہو گا کہ یہ مقابلہ پندرہ راؤنڈ کا ہوتا ہے.... گلووز تم پہن ہی چکے ہو، نمبر صرف چہرے پر مکا مارنے سے ملتے ہیں بشرطیکہ مکا لگ جائے۔ ایک اچھا باکسر اپنے مقابل کی ناک کی ہڈی پر مکا مارنے کی کوشش کرتا ہے اور دوسرا خود کو اس وار سے بچانے کی، کیونکہ ناک کی ہڈی پر مکا لگنے کے بعد باکسر کے ہارنے کا امکان بہت زیادہ ہو جاتا ہے.... لیکن یہ مقابلہ چونکہ آپس کا مقابلہ ہے، اس لیے مہربانی فرما کر ناک کی ہڈی کو کوئی بھی نشانہ نہیں بنائے گا.... ایک دوسرے کا پورا پورا خیال رکھے گا، یہ مقابلہ صرف پوائنٹ پر ختم ہو گا، ناک آؤٹ کوئی نہیں ہو گا.... لہذا نمبر بنانے کی کوشش کرنی ہے۔ اب میں ایک دو تین کہوں گا، تین پر مقابلہ ہو گا، ہر راؤنڈ ڈیڑھ منٹ کا ہو گا۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔" خان رحمان نے اچھی بھلی تقریر جھاڑ دی۔ سب لوگ مسکرانے لگے، لیکن فاروق اور فرزانہ کے چہروں پر مسکراہٹ کا دور دور پتا نہیں تھا۔

فاروق محمد علی کلے کی طرح اپنی جگہ پر اچھلنے کودنے لگا۔

فرزانہ اپنی جگہ پر ساکت کھڑی اسے گھورتی رہی۔

"فرزانہ، اس طرح تو تم ہار جاؤ گی، اپنے جسم کو حرکت دیتی رہو۔" خان رحمان بولے۔

"مجھے اس طرح اچھلتے کودتے شرم آتی ہے۔" اس نے کہا۔

"اچھا خیر.... تیار ہو جاؤ، ایک دو تین۔" انہوں نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

اب دونوں مکے تان کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے.... دونوں نے ایک دوسرے کے مکے ہاتھوں پر روکنے شروع کیے۔ ایک موقع ملنے پر فاروق نے فرزانہ کی ٹھوڑی پر مکا مارا، لیکن فرزانہ انتہائی پھرتی سے وار بچا گئی، ساتھ ہی اس نے ایک بائیں ہاتھ کا مکا فاروق کی ٹھوڑی پر دیا، لیکن وہ بھی صاف بچا گیا۔ اس طرح پہلا راؤنڈ ختم ہو گیا۔ دونوں اپنے اپنے کارنر میں کھڑے ہو گئے۔ فاروق کو تھپکیاں دینے کے لیے حامد آگے بڑھا، فرزانہ کی خدمت محمود نے اپنے ذمے لی۔

"فاروق تم بہت اچھے رہے۔" حامد بولا۔

"فرزانہ تم نے کمال کر دیا، خود کو بہت خوبصورتی سے بچایا اور وار بھی نہایت مہارت سے کیے، یہ اور بات ہے کہ فاروق بچا گیا، خیر کوئی بات نہیں، دوسرے راؤنڈ میں سہی۔" محمود نے کہا۔ خان رحمان نے اعلان کیا:

"دونوں باکسر اس راؤنڈ میں کوئی پوائنٹ حاصل نہیں کر سکے۔"

دوسرے راؤنڈ میں فاروق نے فرزانہ پر تابڑ توڑ حملے
شروع کر دیے، پل بھر کے لیے فرزانہ بوکھلا گئی، لیکن پھر
فوراً ہی سنبھل گئی۔ اس نے نہایت تیزی سے وار روکنے شروع
کیے، خود بھی وار کرنے کی کوشش کی، لیکن فاروق نے اس
کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہونے دی اور جب راؤنڈ ختم ہونے
کے قریب تھا، فاروق کا ایک مکا اس کے دائیں جبڑے پر
لگ گیا، وہ لڑکھڑائی، فاروق نے دوسرا مکا مارنے کی کوشش
کی، لیکن فرزانہ لڑکھڑانے کے باوجود اسے بچا گئی، عین اسی
وقت راؤنڈ ختم ہو گیا۔ اس بار خان رحمان نے اعلان کیا کہ فاروق نے
ایک پوائنٹ جیت لیا ہے، سب نے پہلے فاروق کی طرف دیکھا،
وہ مسکرا رہا تھا، انہوں نے فرزانہ کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر
کسی فکر یا پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ آخر تیسرا راؤنڈ شروع ہوا۔ اس
بار سب چونک اٹھے۔ فرزانہ نے اس طرح تڑپ تڑپ کر وار کیے کہ
اوپر تلے تین مکے فاروق کے منہ پر دے مارے اور اس راؤنڈ میں اس
نے تین پوائنٹ حاصل کر لیے۔ چوتھا راؤنڈ اس سے بھی حیران کن تھا،
فاروق نے اس مرتبہ حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کیا کہ سب لوگ دنگ
رہ گئے، اس کا پہلا مکا فرزانہ کے سر پر لگا، وہ چکرائی، دوسرا ٹھوڑی
پر لگا، تیسرا جبڑے پر پڑا، اس سے اگلے راؤنڈ دونوں ایک جیسے

رہے، اسی طرح وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر پھرتی کا
مظاہرہ کرتے رہے تھے، دیکھنے والوں کا حال یہ تھا کہ پلک
تک نہیں جھپک رہے تھے، آخری راؤنڈ تک ان کا یہی حال رہا۔
انہوں نے اپنی زندگی میں شاید اتنا پھرتیلا مقابلہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔
آخر پندرہ راؤنڈ مکمل ہو گئے۔ خان رحمان پوائنٹس کا حساب کرنے
لگے، سب لوگ بے تابی سے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر
خان رحمان نے کہا۔

"مجھے حیرت ہے، دونوں نے برابر برابر پوائنٹ حاصل کیے ہیں، لہذا
دونوں برابر رہے۔ گویا یہ مقابلہ برابر رہا۔"

"کیا!!!" وہ سب چلا اٹھے۔

اور پھر فاروق اور فرزانہ رنگ میں تڑ سے گرے اور بے ہوش
ہو گئے۔ وہ سب بوکھلا کر ان کی طرف دوڑے، انسپکٹر جمشید نے
بوکھلا کر کہا:

"ارے بھئی! کیا تم لوگ سچ مچ بے ہوش ہو گئے ہو۔"

"شوقیہ بے ہوش ہوئے ہیں!" فاروق نے اٹھتے
ہوئے کہا۔

عین اسی وقت اندر فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

پستول اور رقم

"چلو بھئی اندر چلیں، سب لوگ چائے پئیں گے، ان کے انعام کا بھی فیصلہ کرنا ہے، یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس وقت فون کس کا آگیا۔" انسپکٹر جمشید ایک سانس میں کہہ گئے۔ سب نے ان سے اتفاق کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور پھر خان نثار احمد صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

"آپ کا فون ہے۔"

"اوہو۔ مجھے یہاں کس نے فون کر دیا۔" وہ بولے اور ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ تھوڑی دیر تک وہ دوسری طرف کی بات سنتے رہے پھر فکر مند انداز میں ریسیور رکھ دیا۔

"خیر تو ہے جناب!"

"ہاں! کوئی خاص بات نہیں، پہلے میں آج کی باکسنگ کے بارے میں بات کروں گا..... میں نے اتنا حیرت انگیز مقابلہ کبھی نہیں دیکھا۔ لیکن اس سے زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ دونوں نے پوائنٹ

بھی برابر حاصل کیے ہیں، لہذا میں بھی انہیں برابر انعام دینا چاہتا ہوں، میری طرف سے یہ لفافہ ان کا انعام ہے، یہ اسے آپس میں تقسیم کر لیں، میں یہ جیتنے والے کے لیے لایا تھا، لیکن اب اسے دونوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔

"ارے لیکن..... آپ نے یہ تکلف کیوں کیا۔" انسپکٹر جمشید بوکھلا کر بولے۔

"بھئی اس میں تکلف کی کونسی بات ہے، یہ میرے بھی تو بچے ہیں۔" انہوں نے کہا اور فاروق کو لفافہ لینا پڑا۔

"کھولو بھئی، ذرا دیکھیں تو کیا انعام ملا ہے۔" پروفیسر داؤد خوش ہو کر بولے۔

"میں بتائے دیتا ہوں، اس میں ایک ہزار روپے ہیں۔"

"بہت خوب! انعام تو دراصل ہم بھی لے کر آئے ہیں، لیکن اب الجھن میں ہیں کہ اسے تقسیم کیسے کریں۔" خان رحمان نے پریشان ہو کر کہا۔

"آخر تم ایسی کیا چیز لے کر آئے تھے۔"

"ہم جیتنے والے کے لیے پارکر ۵۱ کا ایک قلم لے کر آئے تھے ..... اگر یہ معلوم ہوتا کہ مقابلہ برابر رہے گا تو دو قلم لے آتے۔ یہ سونے کی نب والا قلم ہے..... اور بہت قیمتی، اسے توڑا بھی نہیں جا سکتا۔" انہوں نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"تمہاری مشکل میں آسان کیے دیتا ہوں۔" پروفیسر مسکرا کر بولے۔
"بھلا وہ کیسے۔" خان رحمان بولے۔
"میں ان کے لیے ایک آٹو میٹنگ گھڑی لایا تھا، اسے بھی توڑا
چھوڑا نہیں جا سکتا، لہٰذا ان میں سے جسے گھڑی پسند ہو، وہ گھڑی
لے لے، جسے قلم پسند ہو، وہ قلم لے لے۔
"یا پھر ٹاس کر لیں۔" حامد بولا۔
"یہ بھی ٹھیک ہے۔"
فاروق اور فرزانہ نے شکریے کے ساتھ یہ تحفے قبول کیے۔
ایسے میں خان رحمان کی نظر محمود پر پڑی:
"بھئی محمود! کیا بات ہے، تم کیوں خاموش ہو۔"
"جی کیا کہوں، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ایسے ایسے تحائف ملیں گے
تو میں بھی اس مقابلے میں ضرور حصہ لیتا۔" اس نے مسمی صورت بنا
کر کہا۔ اس پر سب نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ اس کے بعد چائے
اور کھانے کی دوسری چیزوں کا دور چلا۔ اس دوران انسپکٹر جمشید ڈی آئی
جی صاحب کی طرف بغور دیکھتے رہے تھے، وہ خود کو بہت خوش
ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن وہ دیکھ رہے تھے،
حقیقت میں فکر کے مارے ان کا برا حال تھا۔
"سر! آپ نے اب تک یہ نہیں بتایا، وہ فون کس کا تھا؟"
"وہ ..... میری بیگم کا تھا۔"

"کیا گھر میں کوئی گڑبڑ ہے۔"
"نہیں جمشید! ایسی کوئی بات نہیں ہے، یہ ایک لمبی کہانی ہے جو
ختم ہو گئی تھی مگر آج پھر شروع ہو گئی۔"
"میں سمجھا نہیں۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔
"میری بیوی کا ایک بھائی غلط راستوں پر چل نکلا تھا..... وہ اس
حد تک آگے بڑھ گیا کہ اس کے ہاتھ سے دو آدمیوں کا خون ہو گیا،
آخر کار پکڑا گیا، اب وہ جیل میں تھا، میری بیوی نے ابھی ابھی
مجھے فون پر اطلاع دی ہے کہ وہ جیل سے فرار ہو گیا ہے۔"
"جیل سے فرار ہو گیا ہے۔" ان کے منہ سے حیرت زدہ لہجے
میں نکلا۔
"ہاں! یہی بات ہے۔"
"تو اس میں اس قدر فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے.....
پولیس اسے خود ہی تلاش کرتی رہے گی۔"
"وہ تو سب ٹھیک ہے، لیکن باقر رضا بہت ظالمانہ طبیعت
رکھتا ہے، اس کے خلاف مقدمے نے بہت طول کھینچا تھا، اس نے
اپنے ساتھیوں کے ذریعے گواہیوں کو توڑ لیا تھا، لیکن اس کے
باوجود جج کے خیالات اس کی طرف نہ ہو سکے اور انہوں نے اسے
قاتل قرار دیا اور وہ تھا بھی قاتل۔"
"پھر..... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

گرفتاری سے پہلے وہ کسی کو نقصان نہ پہنچا دے۔"

"اوہ!" ان سب کے منہ سے نکلا۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"خیر! آپ گھر تشریف لے جائیے۔ بیگم صاحبہ کو تسلی دیجیے۔ وہ شاید اپنے بھائی کے لیے فکر مند ہوں گی۔"

"ہاں! انہیں اپنے بھائی سے بے تحاشہ محبت ہے۔"

"قدرتی بات ہے، لیکن کوئی کر ہی کیا سکتا ہے۔"

"اچھا! میں چلتا ہوں۔ خدا خیر کرے، اس کے جیل جانے کے بعد وہ صبر کر کے بیٹھ رہی تھی، اب یہ زخم پھر سے ہرا ہو جائے گا.....:"

"خدا بہتر کرے۔" پروفیسر داؤد نے کہا اور سب نے آمین کہی ڈی آئی جی صاحب رخصت ہو گئے۔ اسی وقت ان کی نظر بیگم شیرازی پر پڑی۔ انہوں نے دیکھا، ان کا چہرہ خوف سے بالکل سفید ہو گیا تھا۔

○

بیگم نثار احمد خان نے اپنے شوہر کو فون پر اطلاع دینے کے بعد ریسیور رکھ دیا۔ ان کے آج تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنے بھائی باقر رضا کو ہی اپنی اولاد خیال کرتی تھیں۔ ان کے والد . . . . . کے بھی دو ہی اولادیں ہوئی تھیں، ایک وہ

خود اور دوسرا باقر رضا، لیکن ان کی بدقسمتی کہ باقر رضا غلط صحبت میں پڑ گیا، اس نے چوری چکاری اور جوئے جیسے بڑے کام شروع کر دیے، باپ نے اسے گھر سے نکال دیا۔ باپ نے اس کی ایک جگہ شادی طے کر دی، لیکن جب اسے گھر سے نکال دیا گیا تو لڑکی کے ماں باپ نے بھی اس رشتے کو توڑ دیا، اگرچہ باقر رضا اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ جوئے کی محفل میں ایک دن اس کا جواریوں سے جھگڑا ہو گیا، یہ جھگڑا بڑھ گیا اور اس کے ہاتھ سے دو آدمی مارے گئے۔ وہ وہاں سے بھاگ نکلا اور اپنی بہن کے گھر یعنی ڈی آئی جی نثار احمد خان کے گھر پناہ لی، لیکن بھلا خان صاحب قانون کے مجرم کو کس طرح پناہ دے سکتے تھے۔ انہوں نے پولیس کو فون کر کے اسے گرفتار کرا دیا۔ بیگم نثار احمد خان نے خوف میں آنسو بہائے، اپنے شوہر کو ظالم بھی کہا..... اور وہی مجرم آج جیل سے فرار ہو گیا تھا:

ریسیور رکھ کر وہ مڑی ہی تھیں کہ ان کی نظر آئینے پر پڑی۔ آئینے میں انہیں باقر رضا نظر آیا، وہ بوکھلا کر دروازہ کی طرف مڑیں اور پھر دھک سے رہ گئیں، ان کا مجرم بھائی ان کے سامنے کھڑا تھا:

"باقر تم..... تم یہاں کیوں آئے ہو۔"

"میں جانتا ہوں باجی! اس گھر میں مجھے پناہ نہیں ملے گی....

لیکن جیل سے نکلنے کے بعد تو مجھے یہاں ہی آنا تھا۔

"لیکن کیوں؟" بیگم نثار احمد بولیں۔

"باجی! کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں ساری عمر جیل میں رہوں۔" اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"نہیں! میں یہ بالکل نہیں چاہتی۔"

"تو پھر باجی میں یہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہوں، ا
سے بہت دور کسی ایسی جگہ جہاں کوئی مجھے نہ پکڑے،
اس کے لیے مجھے تمہاری ضرورت ہے۔" اس نے جلدی جل

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔" انہوں نے پوچھا۔

"ایک پستول اور دو چار ہزار روپے جتنے بھی ہو سک

"ٹھیک ہے، پستول اور پیسے تمہیں مل جائیں گے، لیک
تم مجھے یقین دلا دو کہ تم یہاں سے صرف فرار ہونا چا
ہو اور تم کچھ نہیں کرو گے۔"

"میں بھلا اور کیا کروں گا؟"

"میں تمہاری طبیعت سے اچھی طرح واقف ہوں، تم ان
طبیعت رکھتے ہو، کہیں تم کچھ لوگوں سے انتقام لینے
نہ اتر آؤ۔"

"ارے نہیں باجی..... ایسی کوئی بات نہیں۔"

"میں تمہیں رقم دے دیتی ہوں، لیکن پستول نہیں دو

"لیکن باجی پستول کے بغیر تو میرا کام نہیں چلے گا۔" اس
ے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"تم میرے بھائی ہو، مجھے بہت پیارے ہو، کاش تم اس
ئی پر نہ جیل نکلے ہوتے، میں خاں صاحب سے کہہ کر تمہیں
ی اچھی سی ملازمت پر لگوا دیتی، اب میں تمہارے لیے اتنا
ی کر سکتی ہوں کہ تمہیں کچھ روپے دے دوں، اگرچہ یہ بھی غیر قانونی
م ہو گا، میرا فرض تو یہ ہے کہ میں تمہیں پولیس کے حوالے
کر دوں۔"

"لیکن باجی! اگر تم ایسا کرنا چاہو، تو بھی نہیں کر سکو گی۔"
قر رضا نے بے رحمی سے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب.... کر کیوں نہیں سکوں گی۔" انہوں نے حیران
ہو کر کہا۔

"اس لیے۔" یہ کہہ کر اس نے جیب سے ایک چاقو نکال
یا۔ اس کے کھلنے کی کڑکڑاہٹ نے کمرے میں سنسنی کی لہر
دوڑا دی۔ عین اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔ باقر رضا
ے تیزی سے مڑ کر دیکھا۔ نثار احمد خان کا ملازم رحیم بابا چلا آ
ہا تھا، لیکن جونہی اس کی نظر باقر رضا اور اس کے ہاتھ
ں پکڑے چاقو پر پڑی، وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ اس نے
ھلا کر کہا:

"باقر صاحب آپ اور یہاں"۔

"ہاں! تم بھی اندر ہی آجاؤ.... خبردار کوئی حرکت کر

کی کوشش نہ کرنا۔" باقر رضا نے غرّا کر کہا۔

"یہ کیا، آپ نے اپنی ہی بہن کے گھر میں چاقو نکا

لیا ہے، میں کہتا ہوں، چاقو جیب میں رکھ لیں۔" رحیم با

ڈرے بغیر کہا۔

"چپ چاپ اپنی مالکن کے پاس کھڑے ہو جاؤ.... جلو

.... پستول اور رقم نکالو۔"

"اگر میں نہ نکالوں تو؟"

"تو میں بھول جاؤں گا کہ میری کوئی بہن بھی تھی۔"

"یہ..... یہ تم کہہ رہے ہو۔" بیگم نثار احمد نے غم زدہ

میں کہا۔

ہاں! جلدی کرو، میرے پاس وقت نہیں، اگر خان صاحب

گئے تو نئی الجھن شروع ہو جائے گی، وہ مجھے فرار ہونے کا

نہیں دیں گے اور میں ہر صورت میں فرار ہونا چاہتا ہوں....

تم خود سوچ لو۔"

"نن نہیں۔" بیگم نثار احمد کانپ اٹھیں.... انہوں نے جلد

سے شوہر کی الماری کھولی اور اس میں سے نوٹوں کی دو گڈیا

نکال کر اس کی طرف اچھال دیں اور اس نے تیزی سے جھک

کر گڈیاں اٹھا لیں:

"ابھی اور بھی ہوں گی الماری میں، وہ بھی نکال دو باجی۔"

"تم نے دو ہزار ہی کہے تھے۔"

"لیکن اگر الماری میں زیادہ ہیں تو پھر میرے لیے زیادہ لے

جانا ہی مناسب ہوگا۔" اچھا یہ لو.... اور سن لو! آج کے بعد مجھے

تم سے کوئی محبت نہیں رہی اور میں آج کے بعد تم سے نفرت کروں گی، صرف نفرت!

"کرتی رہنا نفرت، مجھے تمہاری نفرت سے کوئی فرق نہیں

پڑ جائے گا۔"

بیگم نثار احمد نے نوٹوں کی دو گڈیاں اور اس کے

آگے پھینک دیں۔ پھر الماری میں سے پستول نکال کر ایک دم

اس کی طرف تان دیا:

"خبردار باقر! اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا، رحیم بابا پولیس

کو فون کرو۔"

"نہیں! ایسا نہیں ہوگا، رحیم بابا فون کی طرف ایک قدم

بھی نہ بڑھانا، میں خنجر پھینک کر مارنے کا گر بھی جانتا ہوں

اور باجی کی کیا بات ہے، وہ اپنے بھائی پر کبھی گولی نہیں

چلائے گی۔"

"یہ تمہاری بھول ہے، مجھے اب تم سے کوئی محبت نہیں رہی۔"

"چلو آج اس کا بھی امتحان ہو جائے گا۔ میں پستول چھیننے

کے لیے تمہاری طرف بڑھنے لگا ہوں، اگر تمہیں مجھ سے محبت نہیں
ہے تو تم مجھ پر گولی چلا دو۔" یہ کہہ کر وہ واقعی آگے بڑھنے
لگا۔ بیگم نثار نے نال سیدھی کر لی، لیکن ان کا ہاتھ کانپ رہا تھا
"دیکھا باجی! میں نہ کہتا تھا، تم مجھ پر فائر نہیں کر سکو گی
تمہارا ہاتھ کانپ رہا ہے۔"

"رک جاؤ.... باقر رک جاؤ، کہیں میرے ہاتھ سے تمہارا خون
نہ ہو جائے۔"

"کم از کم میری موت تمہارے ہاتھوں نہیں آئے گی۔" یہ کہہ کر
وہ اور آگے بڑھ آیا۔ بیگم نثار احمد کا ہاتھ اور زیادہ کانپنے لگا۔
انہوں نے ٹریگر پر دباؤ ڈالنا چاہا مگر انگلی میں بھی کپکپی دوڑ گئی۔
اتنے میں باقر ان کے قریب پہنچ گیا اور اس نے ہاتھ بڑھا کر
پستول چھین لیا۔

"دیکھا باجی، تم مجھ پر فائر نہیں کر سکیں۔ اس کی وجہ صرف یہ
ہے کہ تم اب بھی مجھ سے محبت کرتی ہو..... اچھا خدا حافظ"
اس نے کہا، تیزی سے مڑا اور باہر نکل گیا۔ دونوں بت بن کر
کھڑے رہ گئے، چند منٹ اسی عالم میں گزر گئے۔ پھر قدموں
کی آواز سنائی دی اور ڈی آئی جی احمد خان اندر داخل ہوئے۔

"خیر تو ہے، تم لوگ اس طرح کیوں کھڑے ہو؟"

"وہ.... وہ.... یہاں آیا تھا۔" ان کی بیگم نے ہکلا کر کہا۔

"کون وہ؟" ڈی آئی جی چونکے۔ "کیا آپ باقر رضا کے بارے میں
کہہ رہی ہیں؟" خان صاحب نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! مالک! وہ چاقو دکھا کر پستول اور چار ہزار روپے لے
گئے ہیں، مالکن نے اس پر فائر کرنے کی کوشش کی تھی، مگر ان
کا ہاتھ کانپ گیا اور اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر وہ پستول چھین
لے گئے۔"

"اوہ! مجھے پولیس اسٹیشن کو اطلاع دینی چاہیے۔" یہ کہہ کر
انہوں نے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

انتقام کی دھمکی

جج چوہدری غلام رسول آغا عدالت سے واپس لوٹنے اور شام کی چائے پینے کے بعد آرام کر رہے تھے کہ ان کے فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے لیٹے لیٹے ہی ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"ہیلو جج صاحب۔ کہیے کیا حال ہے۔"

"شکر ہے خدا کا، آپ کون ہیں۔" جج صاحب نے خوشگوا لہجے میں کہا، لیکن ان کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئی تھیں، کیونکہ آواز غیر شائستہ تھی۔

"مجھے لوگ باقر رضا کے نام سے جانتے ہیں، امید ہے، یہ نام آپ کی یادداشت میں محفوظ ہو گا۔"

"باقر رضا! وہ قاتل جس نے دو آدمیوں کو جان سے مار ڈالا تھا۔" جج صاحب نے چونک کر کہا۔

"ہاں وہی۔" باقر رضا بولا۔

"لیکن تم جیل سے رہا کیسے ہوئے، تمہیں تو میں نے عمر

کی سزا دی تھی۔" جج صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

"میں نے گرفتار ہوتے وقت کہا تھا کہ بہت جلد میں آزاد ہو کر تم سے اس فیصلے کا انتقام لوں گا، سو میں جیل سے بھاگ آیا ہوں اور عنقریب میرے پستول کی نال تمہاری شہ رگ پہ ہو گی۔"

"بکو مت! تم ایک مجرم ہو اور تمہاری جگہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہے، میں ابھی پولیس کو فون کرتا ہوں۔"

"پولیس کو بہت پہلے یہ اطلاع مل چکی ہے کہ میں جیل سے فرار ہو گیا ہوں۔" باقر رضا نے ہنس کر کہا۔

جج صاحب نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے سلسلہ کاٹ کر پولیس اسٹیشن کے نمبر ملائے اور بولے:

"ہیلو بخاری صاحب.... میں جج غلام رسول بول رہا ہوں بھئی یہ کیا معاملہ ہے۔"

"کیسا معاملہ آغا صاحب!"

"کیا یہ سچ ہے کہ باقر رضا جیل سے فرار ہو گیا ہے۔"

"جی ہاں آغا صاحب! یہ سچ ہے۔"

"تو پھر نوٹ کر لیں، اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ عنقریب اس کے پستول کی نالی میری شہ رگ پر ہو گی۔" انہوں نے کہا۔

"اوہ! آپ محتاط رہیں جناب، ابھی ابھی ڈی آئی جی نثار احمد خان صاحب کا بھی فون موصول ہوا ہے، وہ ان کے گھر

چاقو دکھا کر اپنی بہن سے پستول اور نقدی چھین کر بھاگ نکلا
ہے۔"

"اوہو، یہ معاملہ تو سنگین ہو گیا ہے، آپ لوگ اس سلسلے
میں کیا کر رہے ہیں؟"

"پورے شہر میں باقر رضا کی تلاش شروع ہو چکی ہے۔ سٹیشن
بس سٹینڈ اور ہوائی اڈے کی نگرانی شروع ہو چکی ہے، جگہ
جگہ چھاپے مار رہے ہیں۔ آپ کی حفاظت کے لیے میں اس وقت
دو کانسٹیبل روانہ کر رہا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ! مجھے حالات سے باخبر رکھیے گا، کوئی
خاص بات ہوئی تو میں بھی فون کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے، آپ اپنے دروازے اور کھڑکیاں بند کر لیجیے۔"

"یہ میں کر لوں گا۔" انہوں نے کہا، ریسیور رکھا اور گھر کے
سب افراد کو جمع کرنے کے بعد بولے:

ایک خطرناک شخص جیل سے بھاگ نکلا ہے، وہ مجھ سے
انتقام لینا چاہتا ہے، اس لیے سب لوگ ہوشیار رہو، گھر کے
دروازے اور کھڑکیاں بند کر لو۔"

"آپ فکر نہ کریں ابا جان! ہم اس سے نبٹ لیں گے۔" جج
صاحب کے بیٹوں نے کہا۔

ان کے تین بیٹے اور سب سے چھوٹی ایک لڑکی تھی۔

لڑکی آپ ابھی سکول میں پڑھتی تھی۔ اس نے کہا:

"ابا جان ان حالات میں بہتر ہو گا کہ آپ انسپکٹر جمشید کو
فون کر دیں۔"

"انسپکٹر جمشید، لیکن بھلا وہ کیا کر سکیں گے، وہ کوئی پرائیویٹ
سراغرساں تو ہیں نہیں کہ میرے فون پر بھاگے چلے آئیں گے۔"

"ان کے سینے میں انسانی ہمدردی کا ایک سمندر موجیں مار رہا
ہے، ایسے موقعوں پر وہ لوگوں کے ضرور کام آتے ہیں، اگرچہ
یہ ان کے فرائض میں شامل نہیں۔"

"تمہیں ان کے بارے میں اتنی باتیں کس طرح معلوم ہیں روبی؟"
جج صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

"ان کی بیٹی فرزانہ میرے ساتھ پڑھتی ہے۔" روبی بولی۔

"خیر! تم لوگ دروازے بند کر لو، میں انہیں بھی فون کرتا ہوں۔"

جج صاحب ایک دلیر آدمی تھے، لیکن اس کے باوجود ان کے
چہرے پر اس وقت خوف موجود تھا۔ انہوں نے ڈائریکٹری میں
انسپکٹر جمشید کے نمبر دیکھے اور فون کرنے لگے۔

○

"خیریت تو ہے آنٹی..... آپ اچانک فکر مند کیوں
ہو گئیں۔"

"مم..... میں.... باقر رضا کے فرار کی خبر سن کر پریشان ہو گئی
ہوں" بیگم شیرازی نے ہکلا کر کہا۔
"کیا آپ باقر رضا کو جانتی ہیں؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں بلا کی
حیرت تھی، کیونکہ یہ ایک عجیب بات تھی۔
"جی ہاں، بہت اچھی طرح اور وہ بھی مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔
گرفتار ہونے سے چند دن پہلے اس نے مجھے فون پر دھمکی
دی تھی کہ وہ ایک دن مجھے جان سے مار دے گا۔"
"لیکن کیوں، آخر آپ سے اسے کیا دشمنی ہے؟" محمود بولا۔
"میرے ماں باپ نے پہلے میری شادی اس سے طے کی تھی، لیکن جب
وہ غلط راستے پر چل نکلا تو انہوں نے یہ رشتہ توڑ دیا..... اس
وقت تو وہ خاموش رہا، لیکن چند ماہ پہلے اس نے مجھے دھمکی دی تھی،
پر ایک اتفاق ہے کہ اس دھمکی کے چند روز بعد اس نے دو آدمیوں
کو مار ڈالا اور پھر پکڑا گیا، اس کے پکڑے جانے کے بعد میں نے
خدا کا شکر ادا کیا تھا اور بے فکر ہو گئی تھی کہ آج پھر اس
کے فرار کی خبر سنی ہے۔"
"آپ فکر نہ کریں اور ہمارے ہاں رہیں، اگر وہ ادھر آیا تو
ہم اسے دیکھ لیں گے۔" محمود نے کہا۔
"بالکل ٹھیک۔" انسپکٹر جمشید فوراً بولے۔
"اچھا! اگر آپ یہی مناسب سمجھتے ہیں تو یوں ہی سہی۔" انہوں

نے رضا مندی ظاہر کر دی۔ پھر کچھ سوچ کر بولیں:
"اب تو مجھے اپنے گھر جاتے ہوئے بھی ڈر لگے گا، محمود ذرا
تم جا کر دروازے کو تالا تو لگا آؤ، تالا تمہیں اندر آتش دان
پر رکھا ملے گا۔" انہوں نے کہا۔
"میں ابھی تالا لگا آتا ہوں، اب جب تک باقر رضا گرفتار
نہیں ہو جاتا، اس وقت تک آپ ہمارے ساتھ ہی رہیں
گی۔" اس نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ گھر سے باہر نکل کر وہ
بیگم شیرازی کے گھر میں داخل ہوا.... آتش دان پر اسے تالا
رکھا نظر آ گیا۔ ابھی اس نے تالا اٹھایا ہی تھا کہ گھنٹی بجی۔
اس نے فوراً ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے غرائی ہوئی آواز آئی:
"شازیہ! میں باقر رضا بول رہا ہوں، میں نے کہا تھا نا کہ تم
سے انتقام لوں گا، بہت جلد میں تم تک پہنچنے والا ہوں.... ارے
تمہاری سٹی گم ہو گئی، شاید موت کے خوف نے تمہاری زبان کی
بولنے کی طاقت سلب کر لی ہے.... فکر نہ کرو، میں تمہاری
چیخ ضرور سنوں گا۔" محمود نے کوئی جواب دیے بغیر ریسیور پٹخ دیا
اور باہر نکل آیا۔ تالا لگا کر وہ اپنے گھر میں داخل ہوا تو انسپکٹر
جمشید کسی کا فون سن رہے تھے۔
"جی.... جی بہتر..... میں ابھی چند منٹ بعد آپ کو فون کروں
گا اور بتاؤں گا کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔" انہوں

نے کہا اور چند سیکنڈ کے انتظار کے بعد ریسیور رکھ دیا۔

"بھئی! اس باقر رضا نے تو واقعی کام شروع کر دیا!" انہوں نے کہا۔

"جی! کیا مطلب؟" بیگم شیرازی نے بوکھلا کر کہا۔

"اس نے جج چوہدری غلام رسول آغا صاحب کو دھمکی دی ہے کہ عنقریب انہیں ہلاک کرنے کے لیے آئے گا، یہ وہی جج ہیں جنھوں نے باقر رضا کو عمر قید کی سزا دی تھی۔"

"اوہ!" بیگم شیرازی کے منہ سے نکلا، ان کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

"لیکن آنٹی! آپ کو فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔" فاروق بولا۔

"بالکل! آپ یہاں موجود ہیں ہمارے ساتھ۔" فرزانہ بولی۔

"فکر والی تو واقعی کوئی بات نہیں، البتہ یہ خبر ضرور اہم ہے کہ باقر رضا آنٹی کو بھی فون کر چکا ہے، اس کا فون میں نے سنا ہے، انہیں بھی اس نے یہی دھمکی دی ہے۔"

"کیا اس نے تمہارے ذریعے انہیں پیغام دیا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"جی نہیں، میں نے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ وہ بولنے لگا، یہاں تک کہ اس نے اپنی بات ختم کر دی، میں نے بھی اس پر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی کہ فون انہوں نے نہیں، میں نے سنا ہے۔"

"خیر! یہ اچھا ہوا.... اب سوال یہ ہے کہ جج صاحب کے لیے کیا کیا جائے، انہوں نے بھی مجھ سے مدد مانگی ہے، فرزانہ ان کی بیٹی روبی تمہارے ساتھ پڑھتی ہے!"

"جی ہاں!" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"اب یہی ہو سکتا ہے...."

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف ڈی آئی جی خان صاحب تھے۔ انہوں نے کہا۔

"جمشید! اطلاعاً عرض ہے کہ باقر رضا نے کام شروع کر دیا ہے، جیل سے وہ سیدھا میرے گھر آیا تھا، وہ میری بیوی یعنی اپنی بہن کو چاقو دکھا کر نقدی اور ایک پستول لے گیا ہے، پستول بھرا ہوا ہے، میں تمہیں یہ بھی بتاتا چلوں کہ بری صحبت میں رہ کر وہ بہترین لڑاکا اور بہترین نشانے باز بن چکا ہے، اس کے نشانے سے بچنا بھی مشکل ہے اور اگر وہ ہاتھوں پیروں کی لڑائی پر اتر آئے تو بھی عام آدمی کے لیے اس کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے۔"

"ہوں! اور شاید آپ کو یہ معلوم نہیں کہ پستول حاصل کرنے کے بعد وہ دو آدمیوں کو فون پر دھمکی دے چکا ہے۔ پہلی دھمکی جج غلام رسول آغا صاحب کو ملی ہے اور دوسری بیگم شیرازی یعنی میری پڑوسن کو۔"

"اوہو، یہ تو بہت خطرناک خبر ہے، اس شخص کا تو فوری طو
پر گرفتار ہونا ضروری ہے۔" انہوں نے کہا۔

"مجھے اب اس معاملے میں ہاتھ ڈالنا ہی پڑے گا، میں اس
کیس کے بارے میں تمام معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں، مہربانی
فرما کر سرکاری وکیل کا نام بتا دیں۔ تاکہ میں اس سے مل کر یہ جان
سکوں کہ وہ باقر رضا کے بارے میں کیا کچھ جانتے ہیں، مجھے
یہ بھی تو معلوم کرنا ہے کہ آخر وہ جیل سے کس طرح فرار ہو
گیا، ہماری جیلیں اتنی کمزور کیسے ہو گئیں۔"

"ٹھیک ہے، تم جو چاہے کرو، سرکاری وکیل کا نام صوفی
جبار ہے، کہو تو میں خود اسے فون کر دوں۔"

"بہت بہتر! آپ فون کر دیں اگر وہ میرے ہاں آنا پسند
کریں تو بتا دیں ـــــــ نہ آنا پسند کریں
گے تو میں ان سے مل آؤں گا۔"

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے کہا اور سلسلہ بند ہو گیا۔ تھوڑی
دیر بعد پھر ان کے فون کی گھنٹی بجی اور ڈی آئی جی بولا:
"بھئی! اس کیس میں تو اور بھی تیزی آ گئی ہے۔ سرکاری وکیل
کو بھی باقر رضا کا فون مل چکا ہے۔"

"کیا!!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے حیرت زدہ لہجے میں نکلا۔ پھر
انہوں نے کہا۔

"آخر یہ شخص کتنے لوگوں سے انتقام لینا چاہتا ہے۔"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے.... صوفی جبار اب اپنے گھر میں بہت
پریشان ہے، میں نے اسے تمہارے بارے میں بتایا تھا، اس کا
کہنا ہے کہ اب وہ گھر سے کیسے نکل سکتا ہے۔"

"خیر! کوئی بات نہیں، ان سے میں خود مل آؤں گا، آپ فکر
نہ کریں۔" یہ کہہ کر انہوں نے تھکے تھکے انداز میں ریسیور رکھ دیا
اور بولے:

"یہ عجیب الجھن شروع ہوئی، باقر رضا نے جیل سے فرار ہوتے
ہی تین آدمیوں کو فون کر دیا ہے، سب سے پہلے جج صاحب
کو، پھر تمہاری آنٹی کو اور اس کے بعد سرکاری وکیل صوفی جبار
کو.... ہمیں تمہاری آنٹی کی حفاظت کا بھی خیال رکھنا ہے، ادھر
جج صاحب بھی مجھ سے یہی چاہتے ہیں، میں صوفی جبار صاحب ملنا
چاہتا ہوں، لیکن وہ اس کے ڈر کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنے
پر تیار نہیں، سوال یہ ہے کہ ہم بیک وقت ان تینوں کی حفاظت
کس طرح کر سکتے ہیں.... جب کہ ابھی اس کا امکان ہے کہ وہ
کسی چوتھے آدمی کو فون کرے۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ان سب کو ہم ایک جگہ جمع کر
دیں اور خود بھی وہاں.... موجود رہیں، دوسری طرف یہ معلوم
کرنے کی کوشش کی جائے کہ باقر رضا کہاں چھپا ہوا ہے۔" فرزانہ

نے تجویز پیش کی۔

"تجویز اچھی ہے، لیکن اس میں دشمن کا یہ فائدہ ہے کہ اسے
یہ سب لوگ ایک جگہ مل جائیں گے اور اگر اسے کسی طرح موقع
مل گیا تو وہ آسانی سے انہیں نشانہ بنا سکے گا۔" محمود نے اعتراض
کیا۔

"اعتراض بہت اچھا ہے، لیکن فرزانہ کی تجویز کی ایک خوبی یہ
ہے کہ اس طرح اسے وہاں ضرور آنا پڑے گا اور ہم اسے سارے
شہر میں تلاش کرنے سے بچ جائیں گے۔" فاروق نے کہا

"اگر یہ سب حضرات ایک جگہ جمع ہونا پسند کریں تو یہ ایک بہترین
تجویز رہے گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کم از کم میں تو تیار ہوں، آپ لوگ جہاں بھی رکھنا چاہیں۔"
بیگم شیرازی نے اس تجویز کا فوری طور پر ساتھ دیا۔

"ٹھیک ہے، میں جج صاحب سے بات کرتا ہوں۔"

جج صاحب نے انہیں اپنے فون نمبر نوٹ کروا دیا تھا۔ انہوں نے
ریسیور اٹھا کر ان کے نمبر ملائے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی ریسیور
اٹھایا گیا۔

"ہیلو جج صاحب! صورت حال یہ ہے کہ آپ کے علاوہ بھی باقر
رضا نے دو آدمیوں کو دھمکی دی ہے، ان میں ایک تو میری پڑوسی
بیگم شیرازی ہیں، کسی زمانے میں ان کے ساتھ ان کی منگنی ہوئی تھی،

لیکن جب باقر رضا جرائم پیشہ بن گیا تو ان کے ماں باپ نے انکار کر
دیا، چنانچہ اب وہ ان سے بھی انتقام لینا چاہتا ہے، تیسرے سرکاری
وکیل صوفی جبار ہیں، انہوں نے چونکہ اسے قاتل ثابت کرنے کے لیے
ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا اور باقر رضا کے وکیل کی کوششوں پر پانی
پھیر دیا تھا، لہٰذا وہ ان سے بھی بدلہ لینا چاہتا ہے۔ شاید تھوڑی
دیر تک دو ایک آدمی اور بھی شامل ہو جائیں، لہٰذا ہم نے آپس
میں مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایسے سب پریشان حضرات کو ایک
جگہ جمع کر دیا جائے اور ہم سب مل کر ان کی حفاظت کریں، پولیس
کی مدد بھی لے لی جائے گی۔ دوسری طرف باقر رضا کا سراغ لگانے کی
پوری کوشش کی جائے گی۔"

"اگر آپ کو اس تجویز سے اتفاق ہے تو مجھے کوئی اعتراض
نہیں۔" جج صاحب نے کہا۔

"بہت خوب! تین میں سے دو تیار ہو گئے ہیں، اب میں صوفی
جبار صاحب سے بات کرتا ہوں.... اس کے بعد آپ کو یہ بتا دوں
گا کہ کہاں جمع ہونا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ!" جج صاحب بولے۔

اب انسپکٹر جمشید نے صوفی جبار کے نمبر گھمائے اور انہیں
اپنا نام بتانے کے بعد بولے۔

"ہم نے یہ پروگرام طے کیا ہے کہ وہ سب لوگ جنہیں باقر رضا سے

خطرہ ہے، انہیں ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور ہم بھی وہیں
جائیں، تاکہ حفاظت پر پوری توجہ دی جائے۔ دوسری طرف
معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ باقر رضا نے کس جگہ پن
لے رکھی ہے۔

"ترکیب تو اچھی ہے، میں تیار ہوں، اس وقت میں آپ
تفصیلات بھی بتا سکوں گا۔"

بہت بہت شکریہ! میں ابھی تھوڑی دیر تک آپ کو ب
ہوں کہ کہاں جمع ہونا ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے سلسلہ ک
دیا۔ عین اس وقت ان کے فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری ط
ڈی آئی جی صاحب تھے:

"بھئی جمشید! پریشانی میں تو اضافہ ہی ہو رہا ہے، ا
رضا نے پولیس انسپکٹر بخاری کو بھی دھمکی دے دی ہے۔ ا
یہ بات مجھے فون پر بتائی ہے۔۔۔۔ تم اس سلسلے میں کیا کر

"ہم نے ایک پروگرام طے کیا ہے جناب، اگر آپ اس ک
دے دیں تو اس پر عمل شروع کیا جا سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بو

"جلدی بتاؤ، کیا پروگرام طے کیا ہے۔"

"پروگرام یہ ہے کہ ان سب لوگوں کو ایک جگہ جمع کر د
میں، محمود، فاروق اور فرزانہ بھی وہاں موجود ہوں۔ ہمارے
پولیس کا پہرا بھی باہر موجود ہو، دوسری طرف میں یہ سار

کی کوشش کروں کہ باقر رضا کہاں چھپا بیٹھا ہے۔ کہیے آپ کا کیا
خیال ہے؟"

"بہت بہترین، لیکن سوال یہ ہے کہ جمع کہاں ہوں گے۔"

"جج صاحب کے ہاں! سب سے پہلے فون انہی کو ملا ہے،
لہذا وہ سب سے پہلے انہی پر وار کرے گا، یوں بھی دوسرے
لوگ تو اسے اپنے گھروں پر ملیں گے ہی نہیں۔"

"کیا جج صاحب نے یہ منظور کر لیا ہے؟"

"پروگرام تو انہیں پسند آیا ہے، ابھی تک میں نے ان کے
سامنے یہ تجویز نہیں رکھی کہ ہم سب ان کے ہاں جمع ہونا چاہتے
ہیں۔"

"بہت اچھا! ان سے بات کر لو، میرا خیال ہے، وہ تیار ہو
جائیں گے، بہت اچھے آدمی ہیں، زندگی بھر رشوت نہیں لی، اس
کیس میں بھی باقر رضا کے کسی دوست نے فون پر انہیں ایک
لاکھ روپے کی رشوت دینے کی کوشش کی تھی، لیکن انہوں نے
اسے برا بھلا کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔"

"اس کیس میں جو عجیب ترین بات ہے، وہ یہ ہے کہ عمر قید
کی سزا سننے کے بعد اس نے جج صاحب کو دھمکی دی تھی کہ وہ بہت
جلد ان سے انتقام لے گا، آخر اسے یہ یقین کس طرح تھا کہ وہ جیل
سے رہا ہو جائے گا۔"

"یہ واقعی سوچنے کی بات ہے.... خیر میں بھی جج صاحب کے ہاں آجاؤں گا، سب مل کر سوچیں گے کہ یہ کیا چکر ہے۔"

"جی بہتر! میں اب جج صاحب سے بات کرتا ہوں۔" انہوں نے کہا اور دوسری طرف سے ریسیور رکھے جانے کی آواز سننے کے بعد سلسلہ بند کر کے جج صاحب کے نمبر ملائے:

"ہیلو جج صاحب! میں ایک بار پھر آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ تجویز یہ طے پائی ہے کہ ہم سب آپ کے ہاں جمع ہوں، بشرطیکہ آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو۔"

"میں آپ سب کو خوش آمدید کہوں گا۔" جج صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

"بہت بہتر! سب سے پہلے میں بیگم شیرازی اور اپنے بچوں کو لے کر آپ کے ہاں آتا ہوں.... اس کے بعد صوفی جبار صاحب اور بخاری صاحب اگر خود آنے پر تیار نہ ہوئے تو میں جا کر انہیں بھی لے آؤں گا۔"

"اچھی بات ہے، میں انتظار کر رہا ہوں۔" انہوں نے کہا، انسپکٹر جمشید سب کو لے کر وہاں سے رخصت ہوئے۔ بیگم جمشید نے بھی گھر میں رہنا پسند نہیں کیا تھا۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد البتہ اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے تھے۔ کیونکہ دوسرے کے گھر غیر ضروری اجتماع اچھی بات نہیں تھی۔

جب وہ وہاں پہنچے تو ان سب لوگوں کو دروازے پر انتظار کرتے پایا۔ ان میں سب سے آگے روبی تھی، لیکن جج صاحب ان میں نہیں تھے، شاید مجرم کے خوف سے باہر نہیں آئے تھے۔ جج صاحب کے تینوں بیٹوں عاقر، فاخر اور ناصر نے بھی ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اندر پہنچے تو جج غلام رسول آغا نے آگے بڑھ کر ان سے ہاتھ ملایا۔ ان کا چہرہ خوف سے سفید تھا۔

"یہاں سے انسپکٹر جمشید نے صوفی جبار کو فون کیا۔ انہوں نے کہا۔

"میں خود نہیں آؤں گا۔ آپ مجھے آ کر لے جائیں۔"

"اچھی بات ہے، میں آ رہا ہوں۔" تھوڑی دیر بعد صوفی جبار بھی جج صاحب کے ہاں پہنچ گئے، یہ ایک نوجوان آدمی تھے۔ ان کی چھوٹی سی داڑھی تھی، جب کہ جج صاحب تقریباً بوڑھے تھے، لیکن ان کے چہرے پر داڑھی مونچھیں نہیں تھیں۔ وہ روزانہ شیو کرنے کے عادی تھے۔ آخر میں انہوں نے بخاری صاحب کو فون کیا۔ انہوں نے کہا۔

"میں خود ہی پہنچ جاتا ہوں، کیونکہ میں باقر رضا سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں، کیونکہ مجرموں کی دھمکیاں تو انہیں آئے دن سننی پڑتی تھیں۔ اسے فون کرنے کے بعد سادہ لباس والوں کو فون کیا گیا تاکہ وہ آ کر جج صاحب کی کوٹھی کو

گھیرے میں لے لیں۔

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر بخاری بھی آ گئے۔ ان کے چہرے پر خوف کے آثار نہیں تھے، لیکن وہ بھی پریشان ضرور تھے۔ ان میں سب سے زیادہ خوف زدہ بیگم شیرازی تھیں اور ان کے بعد صوفی جبار، جج صاحب خود کو سنبھالے ہوئے تھے۔ آدھ گھنٹے بعد اکرام نے آ کر انہیں اطلاع دی کہ کوٹھی کو سادہ لباس والوں نے گھیرے میں لے لیا ہے۔

"بہت خوب! اب تمہیں ایک کام اور کرنا ہے اور وہ یہ کہ ـــــ بیگم شیرازی صاحبہ، صوفی جبار صاحب اور بخاری صاحب کے گھر پر اپنا ایک ایک آدمی مقرر کر دو، جو یہ دھیان رکھیں کہ باقر رضا پہلے ادھر تو نہیں آتا، جونہی وہ ان گھروں میں سے کسی گھر کے آس پاس نظر آئے، مجھے اطلاع دے دی جائے، جج صاحب کے نمبر انہیں بتا دو۔"

"بہت بہتر!"

ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر جب وہ سب اطمینان سے بیٹھے تو انسپکٹر جمشید صوفی جبار سے بولے:

"اور اب میں وہ سب حالات جاننا چاہتا ہوں کہ باقر رضا

کس طرح مجرم بنا، اس نے دو آدمیوں کو کیوں ہلاک کیا..... وغیرہ وغیرہ۔"

"بہت اچھا! میں پوری تفصیل سے سناتا ہوں۔" صوفی جبار نے کہا، لیکن ابھی انہوں نے اپنی بات شروع نہیں کی تھی کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔

وہ پہنچ چکا ہے

انسپکٹر جمشید ذرا خود اٹھ کر دروازے پر گئے۔ دروازہ کھولنے
سے پہلے انہوں نے پوچھا:

"گھنٹی کس لیے بجائی گئی ہے۔"

"خان صاحب تشریف لائے ہیں۔" ایک سادہ لباس والے
نے باہر سے جواب دیا۔

"خان صاحب..... کیا آپ باہر موجود ہیں۔"

"ہاں بھئی، دروازہ کھول دو، میں نے کہا تھا کہ میں بھی
آؤں گا۔"

"جی ہاں۔" انہوں نے کہا اور دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر آگئے،
انسپکٹر جمشید نے سادہ لباس والوں سے چند خفیہ اشارات طے
کیا اور خان صاحب کو لے کر اندر آگئے۔ سب لوگوں نے ان
کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا۔

"سر! ہم اس کیس کی تفصیل صوفی جبار صاحب کی زبانی سننے
کے لیے بالکل تیار تھے کہ آپ آگئے، اور یہ بہت اچھا ہوا،

آپ بھی اس تفصیل کو سنیے، پھر ہم حالات پر غور کر کے
اس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کریں گے کہ باقر رضا اس وقت
کہاں چھپا ہوا ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے، صوفی صاحب، اب آپ شروع کریں۔"

"بہت بہتر! اس کیس کا آج سے تقریباً آٹھ ماہ پہلے فیصلہ ہوا تھا، کیس
دو سال تک چلتا رہا۔ مجھے اس کے لیے بہت دوڑ دھوپ کرنا پڑی۔
کیونکہ باقر رضا کے خوف کی وجہ سے قتل کے عینی گواہ بھی عدالت
میں یہ بیان دے چکے تھے کہ باقر رضا اس وقت وہاں نہیں تھا۔ مجھے
باقر رضا کے ماضی کا پتا چلانا پڑا..... اس طرح مجھے کافی معلومات
حاصل ہو گئیں۔ باقر رضا ایک دولت مند باپ شیخ رضا کا بیٹا
ہے۔ اس شہر میں اس کی جنرل مرچنٹ کی ایک بڑی دکان تھی۔
بچپن میں وہ دکان کے کیش بکس میں سے چند آنے اڑا کر چیزیں
کھانے کا عادی ہو گیا، پھر اس کی یہ عادت بڑھتی چلی گئی اور آنوں
کی بجائے نوبت روپوں تک آگئی۔ کچھ اور بڑا ہوا تو نوٹوں پر
ہاتھ صاف کرنے لگا اور لڑکوں کے ساتھ جوا کھیلنے لگا۔ اس عمر
میں وہ لڑائی بھڑائی میں بہت پختہ ہو گیا۔ آخر ایک دن باپ کو
پتا چل گیا۔ اس نے اسے خوب مارا۔ اس دن سے اس نے دکان
سے پیسے چرانے بند کر دیے اور ماں سے پیسے حاصل کرنے لگا،
مامتا کی ماری ماں اپنے شوہر سے چھپا کر اس کے مطالبات پورے

کرنے لگی۔ وہ ماں سے پیسے لیتا اور یہاں کے ایک ہوٹل، ہوٹل
القارون میں جا کر جوا کھیلنے لگا۔ اس ہوٹل میں خفیہ طور پر جوا
ہوتا تھا، پولیس نے کئی بار چھاپے بھی مارے تھے، لیکن کبھی جوا
کھیلتے ہوئے لوگوں کو پکڑ نہ سکی۔ دراصل میزوں پر رقمیں نہیں رکھی
جاتیں.... ٹوکنوں کے ذریعے جوا کھیلا جاتا ہے۔ پولیس آج تک ثبوت
حاصل نہ کر سکی کہ وہاں رقوم کے ذریعے جوا ہوتا ہے۔ باقر رضا رفتہ
رفتہ بہت بڑا جواری بن گیا۔ غنڈوں تک پر اس کی دہشت چھا
گئی، اس نے ہوٹل القارون کے کئی غنڈوں کی پٹائی تک کر دی۔
.... ہاتھ پیر کا بہت اچھا تھا اور جسم بھی چٹان کی طرح مضبوط
تھا۔ اس کی یہ حرکتیں بڑھتی گئیں، بڑھتی گئیں، ایک دن وہ ہوٹل
القارون کی ایک میز پر دو آدمیوں سے جوا کھیل رہا تھا کہ جوئے
کے دوران اس کا ان سے جھگڑا شروع ہو گیا۔ نوبت ہاتھا پائی
پر آ گئی .... اور پھر اس نے طیش میں آ کر پستول جیب سے نکال
لیا .... یہ بات آج تک معلوم نہیں ہو سکی کہ اس نے پستول کہاں
سے لیا تھا، بہرحال پستول پر اس کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ اس
نے ان دونوں پر گولی چلا دی جس کے نتیجے میں وہ دونوں وہیں
ہلاک ہو گئے اور وہ بھاگ گیا .... بعد میں پولیس نے ادھر ادھر
چھاپے مارنے کے بعد اسے اپنے باپ کے ایک خالی مکان سے
گرفتار کر لیا، شاید اس نے سوچا تھا کہ اس مکان کا کسی کو خیال

نہیں آئے گا، قتل کی خبر سنتے ہی باپ نے اسے اپنی جائداد سے
عاق کر دیا۔ ماں بہت روئی پیٹی، اس نے شوہر سے چوری چھپے ایک
وکیل کیا۔ اسی وکیل نے اس کا کیس لڑا مگر کیس میں اس کی کوئی پیش
نہ چلی، عدالت میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس نے دو
آدمیوں کا خون کیا ہے۔ آخر میں اس نے رحم کی اپیل کی، لیکن رحم
کی اپیل بھی منظور نہیں ہوئی اور اسے عمر قید کی سزا سنائی گئی۔
پستول پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات کے علاوہ اس کا
اس مکان میں جا کر چھپ جانا بھی اس کے جرم کے خلاف ایک
ثبوت بن گیا اور اس طرح گواہوں کے بغیر یہ کیس مجرم کو کوئی فائدہ
نہ پہنچا سکا۔ قتل کے عینی گواہ بے شمار تھے، لیکن گواہی دینے کی
کسی نے جرأت نہ کی، اس خیال سے کہ اگر وہ رہا ہو گیا تو گواہی
دینے والوں کو زندہ .... نہیں چھوڑے گا، بس یہ تھی کل کہانی،
عدالتی کارروائیوں کی تفصیل اگر آپ سننا چاہیں تو وہ بھی سنا دوں۔"
یہاں تک کہہ کر صوفی جبار صاحب خاموش ہو گئے۔

"جی نہیں! اس کی ضرورت نہیں .... ان حالات سے صاف
ظاہر ہے کہ اس کا زیادہ تر اٹھنا بیٹھنا ہوٹل القارون میں تھا۔"

"جی ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔" صوفی جبار صاحب بولے۔

"تب پھر آپ نے اس ہوٹل کے مینجر یا مالک سے بھی تو بات
کی ہو گی، معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی ہو گی۔" انسپکٹر

جمشید نے پوچھا۔
"میں نے اس سے بات کی تھی.... لیکن وہ باقر رضا کے بارے میں کوئی خاص بات نہ بتا سکا۔ بس اس نے وہی باتیں بتائیں جو دوسروں نے بتائیں، یہ کہ اس ہوٹل میں اس کا روز کا آنا جانا تھا تاش کھیلنے کا شوقین تھا، اور یہاں کے مسافروں سے تاش کھیلا کرتا تھا، ہوٹل میں تاش کھیلنے کے لیے ایک الگ کمرہ ہے اور دراصل یہی کمرہ جوئے خانہ ہے، لیکن ہم آج تک ثابت نہیں کر سکے۔"

"پھر تو ہمارے لیے ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہوٹل القارون جا کر تحقیقات کریں.... وہاں ضرور کچھ ایسے لوگ مل جائیں گے جو اس کے بارے میں اس واردات سے پہلے کی کچھ باتیں بتا سکیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن جمشید! تم کس طرح جا سکو گے، ان لوگوں کو چھوڑ کر تمہارے لیے کہیں بھی جانا مناسب نہیں۔" خان صاحب بولے۔

"جی ہاں! یہ بات بھی میرے ذہن میں ہے، خیر.... کچھ نہ کچھ سوچ لیا جائے گا.... میرا خیال ہے کہ آپ کی بیگم صاحبہ بھی باقر رضا کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتی ہیں.... ارے ہاں.... کیا ان کے والد ابھی زندہ ہیں؟" انہوں نے چونک کر پوچھا:

"جی ہاں! شیخ رضا ابھی زندہ ہیں اور انہوں نے اپنی ساری جائداد

بیٹی کے نام لکھ دی ہے۔" خان صاحب۔

"اف خدا.... یہ بات آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ بتائی۔" انسپکٹر جمشید بوکھلا اٹھے۔

"کیا مطلب؟" خان صاحب اور دوسرے زور سے چونکے۔

"وہ شخص ضرور اپنے باپ سے بھی انتقام لے گا.... کہیں وہ اب تک وہاں پہنچ نہ چکا ہو۔"

"اوہ! اگر ایسا ہو گیا تو بیگم روتے روتے مر جائے گی۔" خان صاحب بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔

"گھبرائیے نہیں، مجھے ان کا فون نمبر بتائیے بلکہ آپ بھی فون کریں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

ڈی آئی جی صاحب نے فون پہ نمبر گھمائے۔ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے ریسیور اٹھایا گیا۔ ڈی آئی جی صاحب نے فوراً کہا:

"ہیلو.... کون بول رہا ہے، شکور دین یہ تم ہو، تمہارے صاحب کہاں ہیں.... اوہ خدا کا شکر ہے.... انہیں ذرا فون پہ بلاؤ، میں خان نثار احمد بول رہا ہوں۔" وہ انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے شیخ رضا کی آواز سنی:

"کیا بات ہے نثار احمد؟"

"آپ خیریت سے تو ہیں؟"

"ہاں کیوں.... مجھے کیا ہوا؟" انہوں نے کہا۔

"کیا آپ نے اب تک یہ خبر نہیں سنی کہ آپ کا بیٹا باڈ
سے فرار ہو گیا ہے۔"

"ہاں سن چکا ہوں.... تو پھر اس سے کیا۔" انہوں نے
"اس نے چند لوگوں کو انتقام کی دھمکی دی ہے، ان میں
صاحب، سرکاری وکیل صاحب، انسپکٹر بخاری صاحب اور بیگم
شامل ہیں جن سے اس کی پہلی منگنی ہوئی تھی۔"

"یہ تو بہت بڑی بات ہے، خیر، لیکن آپ نے مجھے فو
کیوں کیا ہے؟"

"اس لیے کہ آپ نے بھی اسے جائداد سے عاق کر رکھا ہے
ہمیں خوف محسوس ہوا کہ کہیں وہ آپ سے بھی انتقام لینے نہ
آپ کو تو اس کا فون موصول نہیں ہوا؟"

"نہیں!" باپ نے کہا۔

"جن لوگوں کو اس نے دھمکی دی ہے، اس وقت وہ سب
جج صاحب کے گھر میں موجود ہیں.... انسپکٹر جمشید، ان کے
اور سادہ لباس میں پولیس ان کی حفاظت کے لیے یہاں موجو
ہیں.... میری درخواست ہے کہ آپ بھی یہاں آ جائیں، لیکن خو
نہ آئیے گا، میں آپ کو لینے کے لیے آ جاتا ہوں۔"

"اگر آپ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں تو آ جاتا ہوں، لیکن میرا
خیال ہے، وہ باپ پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔"

"یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"اچھی بات......"

ڈی آئی جی صاحب کو فون پر ایک دروازہ دھماکے سے
کھلنے کی آواز آئی، ساتھ ہی شیخ رضا کا جملہ درمیان میں رہ گیا۔
وہ پریشان ہو گئے۔

"ہیلو..... شیخ صاحب..... ہیلو..... کیا بات ہے.....
کیا ہوا؟"

لیکن شیخ صاحب نے کوئی جواب نہ دیا، پھر انہوں نے
ریسیور ہاتھ سے چھوٹ کر میز پر گرنے کی آواز سنی۔ انہوں
نے بوکھلا کر ریسیور میز پر رکھتے ہوئے کہا:

"جم..... شید..... وہ..... وہاں پہنچ چکا ہے۔"

ان کی آواز میں بلا کا خوف تھا۔ انسپکٹر جمشید نے
لپک کر کہا ریسیور اٹھایا اور کان سے لگا لیا، لیکن کوئی آواز سنائی
نہ دی۔ اب انہوں نے جلدی جلدی کسی کے نمبر ڈائل کیے اور
پھر ریسیور رکھتے ہوئے بولے:

"آئیے..... میں اور آپ وہاں چلتے ہیں۔"

"لیکن یہاں بھی تو....." ڈی آئی جی صاحب نے کہنا چاہا۔

"یہاں محمود، فاروق اور فرزانہ موجود ہیں، آپ فکر نہ کریں،
آئیے۔" یہ کہہ کر وہ ان تینوں کی طرف مڑے۔

"تم بالکل ہوشیار رہو گے اور یہ جگہ کسی قیمت پر بھی
چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔"

"جی بہتر!" تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

اور وہ دونوں روانہ ہو گئے۔ محمود ان کے پیچھے
دروازہ بند کرنے کے لیے چلا گیا۔ جونہی وہ لوٹ کر آیا، فون
کی گھنٹی بج اٹھی۔

○

"یا اللہ رحم ..." محمود نے فون کی گھنٹی سن کر کہا اور آگے
بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے کسی نے کہا:

"کیا یہ جج چوہدری غلام رسول آغا کی کوٹھی ہے۔"

"جی ہاں! فرمایئے۔"

"میں ڈی آئی جی شیخ نثار احمد صاحب کا ملازم رحیم بول رہا
ہوں، ذرا انہیں فون پر بلا دیں، وہ یہاں موجود ہیں۔"

"وہ ابھی ابھی ایک ضروری کام سے گئے ہیں، یہاں پر
سب خیریت تو ہے، اگر کوئی پریشانی والی بات ہے تو مجھے
بتا دیں، میں انسپکٹر جمشید کا لڑکا محمود بول رہا ہوں۔"

"اوہ! میں ابھی ابھی بیگم صاحبہ کے لیے دودھ لے کر ان
کے کمرے میں آیا ہوں ...... لیکن وہ فرش پر بے ہوش

پڑی ہیں، ان کی ناک سے خون بہہ رہا ہے۔"

"کیا آپ کو معلوم ہے، وہ کس طرح بے ہوش ہوئیں۔"

"جی نہیں، اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ کب سے بے ہوش
پڑی ہیں۔"

"اچھا! سب سے پہلے تو آپ ڈاکٹر کو فون کر کے بلا لیں،
میں خان صاحب کو اطلاع دینے کی کوشش کرتا ہوں، جونہی
بیگم صاحبہ ہوش میں آئیں، ان سے یہ معلوم کریں کہ کیا ہوا تھا
اور مجھے بتا دیں۔"

"اچھی بات ہے، میں یہی کر دوں گا۔"

محمود نے پریشان سے انداز میں ریسیور رکھ دیا۔ گھر میں
موجود مہمان اور گھر کے افراد بھی پریشان ہو گئے تھے اور سوالیہ
نظروں سے محمود کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آخر محمود نے انہیں بتا
دیا کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے،

"اس کا مطلب ہے باقر رضا ایک بار پھر اپنی بہن کے
گھر پہنچا تھا..... لیکن کیوں۔ وہ دوبارہ وہاں کیوں گیا....."
فرزانہ نے کہا۔

"ہو سکتا ہے وہ ان سے یہ معلوم کرنے گیا ہو کہ اس کی
گرفتاری کے سلسلے میں کیا کچھ کیا جا رہا ہے اور جن لوگوں کو اس
نے دھمکی دی ہے، ان کی حفاظت کا کیا بندوبست کیا گیا ہے،"

"ظاہر ہے، اسے یہ معلومات اپنی بہن سے ہی مل سکتی تھیں۔"
فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

"تو کیا اسے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ہم سب یہاں موجود ہیں۔"

"شاید یہی بات ہے۔" جج صاحب بولے۔

"اور اپنی بہن سے ملنے کے لیے وہ جھنجھلا کر پہلے اپنے باپ سے بدلہ لینے چلا گیا.... کیونکہ اس نے سوچا ہو گا، جج صاحب کے ہاں تو اس کی کامیابی کا اتنا امکان نہیں ہو سکتا ہے، وہاں وہ ناکام ہو جائے اور اسے گرفتار کر لیا جائے، اس طرح کم ازکم وہ اپنے باپ سے تو بدلہ لے سکے گا۔"

"بالکل یہی بات ہو گی، میں آپ چاروں سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ایک کمرے میں، یا الگ الگ کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جائیں، ان کمروں کی کھڑکیاں بالکل بند ہونی چاہییں.... ہم باہر موجود رہیں گے۔"

"آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں۔" انسپکٹر بخاری نے مسکرا کر کہا۔

"جناب! مجرم کے خوف کی وجہ سے ہی تو یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے۔" محمود نے بھی مسکرا کر کہا۔

"میرا خیال ہے، محمود کی تجویز بہت اچھی ہے ...... لیکن ابھی ہم نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔" جج صاحب نے کہا۔

"تو پھر پہلے کھانا کھا لیا جائے۔" محمود نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" سب نے ایک ساتھ کہا، شاید سبھی کو بھوک لگ رہی تھی، لیکن عین اسی وقت فون کی گھنٹی نے ان کا سکون لوٹ لیا۔ محمود نے جلدی سے ریسیور اٹھایا۔ فاروق اور فرزانہ کان قریب لے گئے۔ ادھر سے پھنسی پھنسی آواز سنائی دی:

"ہیلو...... کیا یہ جج غلام رسول صاحب کی کوٹھی ہے۔"

"جی ہاں! فرمایئے، آپ کون ہیں؟"

"میں نے انسپکٹر بخاری کو فون کیا تھا، لیکن وہاں سے پتا چلا کہ وہ یہاں ملیں گے......"

"کیا آپ ان سے بات کرنا چاہتے ہیں؟"

"جی ہاں! مجھے ان سے ایک ضروری کام ہے، میں ہوٹل القارون کا مینیجر خادم حسین بول رہا ہوں۔"

"اوہ!" محمود حیران رہ گیا۔ فاروق اور فرزانہ کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئیں۔

گڑبڑ

انسپکٹر جمشید اور خان صاحب شیخ رضا کی کوٹھی کے سامنے پہنچے، گھر کے ملازم خوف زدہ انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ دونوں کار سے باہر نکلے:

"ہاں بھئی.... خیر تو ہے۔"

"وہ...... وہ شیخ صاحب کو کسی نے۔" ایک ملازم نے ہکلا کر کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔ دونوں فوراً اندر پہنچے۔ انہوں نے دیکھا، شیخ رضا اپنے کمرے کے فرش پر چت لیٹے تھے۔ ان کے سینے سے خون نکل کر فرش پر پھیل گیا تھا۔ چھونے پر ان کا جسم اگرچہ گرم لگا، لیکن ان کی رُوح پرواز کر چکی تھی۔

"آخر وہ ہو ہی گیا، جس کا ڈر تھا.... اب ہمیں یہاں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے، پولیس آ کر خود ہی کارروائی مکمل کرتی رہے گی۔ کہیں وہ ادھر نہ پہنچ جائے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر تم ایسا کرو کہ وہاں پہنچ جاؤ، میں یہاں ٹھہروں گا۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے اور ایک کام آپ یہ کریں کہ جیل کے سپرنٹنڈنٹ سے جواب طلب کروائیں، آخر باقر رضا کس طرح جیل سے فرار ہو گیا۔"

"اچھا! میں یہ ابھی معلوم کراتا ہوں اور تمہیں فون کر دوں گا۔" انہوں نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ!" انہوں نے کہا اور واپس روانہ ہوتے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ حالات میں بہت تیزی آ گئی ہے، باقر رضا یک دم حرکت میں آ گیا ہے، شاید اس لیے کہ ہماری احتیاطی تدابیر نے اسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باپ پر حملہ اس نے یہ سوچ کر کیا ہو کہ ہم مورچہ چھوڑ کر ادھر بھاگ آئیں گے۔ یہ سوچ کر وہ پریشان ہو گئے۔ انہوں نے کار کی رفتار اور بڑھا دی، وہ خان صاحب کی ہی کار میں لوٹ آئے تھے۔ جب وہ جج صاحب کی کوٹھی کے قریب پہنچے تو انہوں نے دروازے پر کھڑے سادہ لباس والوں سے ایک آدمی کو بات کرتے دیکھا، پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک سادہ لباس والے نے گھنٹی بجا دی۔ وہ رک کر دیکھنے لگے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ جلد ہی دروازہ اندر سے کھولا گیا اور اسے محمود کی شکل نظر آئی۔ اب انسپکٹر جمشید تیزی سے آگے بڑھے۔ کار سے اتر کر دروازے پر

گئے اور جلدی سے بولے:

"محمود! کیا معاملہ ہے؟"

"جی! یہ ہوٹل القارون کے مینیجر مسٹر خادم حسین ہیں.... انہیں بھی باقر رضا نے قتل کی دھمکی دی ہے، انہوں نے پہلے بخاری صاحب کو ان کے گھر اور پولیس اسٹیشن فون کیا تھا، پھر یہاں فون کیا، چونکہ یہاں پہلے ہی ایسے لوگ موجود ہیں، اس لیے ہم نے آپس میں مشورہ کر کے انہیں بھی یہیں بلا لیا، مسٹر خادم حسین، یہ میرے ابا جان انسپکٹر جمشید ہیں۔"

"اوہ! بہت خوشی ہوئی جناب آپ سے مل کر۔" اس نے ان کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ انہوں نے دیکھا وہ چالیس بیالیس کا ایک صحت مند آدمی تھا۔

"بہت اچھا کیا، لیکن مسٹر خادم حسین! اس نے آپ کو کیوں دھمکی دی ہے؟"

"میں نے عدالت میں اس کے حق میں بیان دینے سے انکار کر دیا تھا، وہ چاہتا تھا میں عدالت میں یہ بیان دوں کہ قتل کے وقت وہ ہوٹل میں موجود نہیں تھا، لیکن چونکہ اس وقت میں خود ہوٹل میں موجود نہیں تھا، اس لیے میں بھلا یہ بیان کس طرح دے سکتا تھا، میں نے سرے سے کوئی بیان دیا ہی نہیں، ہاں یہ ضرور بتایا تھا کہ باقر رضا ہوٹل میں ہر روز آتا تھا۔" اس نے کہا۔

"کیا آپ اس ہوٹل کے صرف منیجر ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی میں ہوٹل کا مالک بھی ہوں۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب! اندر چلیے، بیٹھ کر بات کریں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور تینوں اندر آئے.... نہ جانے کن کونوں سے نکل کر فاروق اور فرزانہ ان کے سامنے آگئے۔ وہ انسپکٹر جمشید کو دیکھ کر آگئے تھے، ورنہ وہ چھپ کر دیکھتے کہ اندر آنے کے بعد خادم حسین کیا کرتا ہے۔

"باقی لوگ کہاں ہیں؟"

"سب الگ الگ کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئے ہیں، انہوں نے کمروں کے دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند کر لی ہیں، کیونکہ اس دوران باقر رضا ڈی آئی جی خان صاحب کے ہاں دوبارہ جا چکا ہے اور اپنی بہن کو بے ہوش کر آیا ہے...... نہ جانے بہن سے وہ کیا کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمشید بولے۔ "اور ادھر اس نے اپنے باپ کو ہلاک کر دیا ہے۔"

"کیا!!!" وہ چلا اٹھے۔

"اور اب مسٹر خادم حسین پہلے آپ یہ ثابت کریں کہ آپ واقعی ہوٹل القارون کے منیجر خادم حسین ہیں، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خادم حسین صاحب کے میک اپ میں اس وقت ہمارے سامنے

باقر رضا صاحب کھڑے ہوں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا اور محمود، فاروق اور فرزانہ چونک اٹھے۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" خادم حسین نے بوکھلا کر کہا۔

"بھئی میں کچھ غلط بھی تو نہیں کہہ رہا، آپ ثابت کر دیں، ہم آپ کی طرف سے مطمئن ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے، میں ابھی آپ کو اپنے کارڈز پیش کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے جیب میں سے بٹوہ نکالا اور اس میں سے چند کارڈز نکال کر ان کی طرف بڑھا دیے۔ ان میں شناختی کارڈ بھی تھا۔ انہوں نے کارڈز کو بغور دیکھا اور پھر بولے:

"لیکن جناب یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس وقت ہمارے سامنے خادم حسین صاحب کے میک اپ میں باقر رضا ہو اور آتے ہوئے وہ ان کے کارڈز بھی لیتا آیا ہو۔"

"تو آپ میرا چہرہ دیکھ لیں، اس پر میک اپ تو نہیں کیا گیا۔" اس نے اپنا منہ آگے کرتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب! یہ ٹھیک رہے گا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے اس کے چہرے کا اچھی طرح جائزہ لیا، لیکن میک اپ کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ اس پر انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"اب آپ خادم حسین ثابت ہو چکے ہیں، ہم مطمئن ہیں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ان تینوں کی طرف دیکھا:
"کیا سب لوگ رات کا کھانا کھا چکے ہیں؟"
"جی ابھی نہیں۔ کھانا کھانے لگے تھے کہ خادم حسین صاحب کا فون آگیا اور ہم نے کھانے کا پروگرام ملتوی کر دیا۔ تاکہ ان کے استقبال کی تیاری کر لی جائے۔" محمود نے بتایا۔
"بہت خوب! تو پھر سب لوگوں کو باہر بلا لو، تاکہ کھانا کھا لیا جائے..... مسٹر خادم حسین بھی تو کھانا کھائیں گے۔"
"جی ہاں! باقر رضا کا فون سن کر تو میری جان ہی نکل گئی تھی..... ایسے میں کھانے کی کیا سوجھتی، یہاں بھاگ آیا۔"
"خیر! اب سب ساتھ ہی کھائیں گے۔"
محمود، فاروق اور فرزانہ نے سب کو ایک جگہ جمع کیا، خادم حسین سے تعارف کرایا اور پھر سب نے کھانے کے کمرے کا رُخ کیا۔ جج صاحب کا ملازم ارباب خان میز پر کھانا لگانے میں مصروف تھا۔ اچانک فرزانہ کو کوئی خیال آیا۔ اس نے روبی سے کہا:
"روبی! اتنے میں کھانا لگے، تم مجھے ذرا باورچی خانہ تو دکھا دو۔"
"اچھا! آؤ میرے ساتھ۔" محمود اور فاروق نے سوالیہ نظریں فرزانہ کی طرف گھمائیں، لیکن اس نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی

نہ دیکھا۔ دونوں باورچی خانے میں آئیں۔ باورچی خانہ کافی بڑا تھا۔ اس کی تین کھڑکیاں باہر گلی میں کھلتی تھیں۔ جن سے ہوا اندر آتی رہتی تھی۔ ان کھڑکیوں میں سلاخیں لگی تھیں۔ چولہے ان کھڑکیوں کے نزدیک ہی تھے۔ فرزانہ چند لمحے تک بغور پورے باورچی خانے کا جائزہ لیتی رہی، پھر فکرمند انداز میں بولی:
"جب یہ بات باقر رضا کو معلوم ہوئی ہو گی کہ ایسے سب لوگ یہاں آ کر جمع ہو گئے ہیں جن سے وہ انتقام لینا چاہتا ہے اور ان کی حفاظت کے لیے بھی انتظام کر لیا گیا ہے تو اس نے بھی ضرور کوئی دوسری ترکیب سوچی ہو گی، کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ کوئی چال چل چکا ہو۔"
"کیا مطلب؟" روبی چونکی۔
"آؤ میرے ساتھ۔" وہ اسے لے کر پھر کھانے کے کمرے میں آئی، کھانا تقریباً لگ چکا تھا، آخر جج صاحب نے کہا۔
"بسم اللہ کیجیے۔" سب نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائے، عین اسی وقت فرزانہ نے کہا۔
"ذرا ٹھہریے! پہلے ہمیں اس کھانے کو چیک کر لینا چاہیے، باورچی خانے کی کھڑکیوں کے ذریعے کھانے میں زہر ملانا نہایت آسان ہے..... جب باقر رضا نے یہ دیکھا ہو گا کہ اس کے لیے اندر داخل ہونا ممکن نہیں رہا تو اس نے ضرور حملہ کرنے کا کوئی

اور طریقہ سوچا ہو گا۔"

"اوہ! واقعی، اس کا امکان ہے، ہم چیک کیے بغیر یہ کھانا نہیں کھائیں گے۔"

"میں نے طوطے پال رکھے ہیں، میں اپنا ایک طوطا اس تجربے کی نذر کر سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، آپ ایک طوطا یہاں منگا لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ارباب خان فوراً ہی ایک طوطا لے آیا۔ کھانے میں سے ایک لقمہ اس کے آگے رکھا گیا، طوطا اسے فوراً ہی کھا گیا، لیکن اسے کچھ بھی نہ ہوا، اب اسے سب کھانوں میں سے ایک ایک لقمہ دیا گیا، اس پر بھی کچھ نہ ہوا، آخر میں فرنی بچ گئی۔ طوطے کو فرنی بھی کھلائی گئی۔ جونہی فرنی اس کے حلق سے نیچے اتری۔ وہ تیز آواز میں چیخا، ارباب خان کی انگلی سے فرش پر گرا اور ساکت ہو گیا۔

ان سب کا رنگ اڑ گیا۔ خوف سے ان کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

○

"اف خدا! ہم تو سب موت کے گھاٹ اترنے کے قریب تھے:

جج صاحب نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا:

"مجھے فوراً باورچی خانے کا جائزہ لینا چاہیے، انسپکٹر بخاری، آپ اس فرنی کو اپنے قبضے میں کر لیں۔ سب لوگ اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں، ہم ابھی آتے ہیں۔ ارباب خان آپ ہمارے ساتھ آئیے۔"

"بہت اچھا جناب۔" اس نے کہا اور ان کے ساتھ ہو لیا۔ چاروں باورچی خانے میں پہنچے۔ کھڑکیوں سے چولہے کا فاصلہ ماپنے کے بعد انسپکٹر جمشید بولے:

"باہر سے کسی آدمی کے لیے بھی یہ ممکن ہے کہ کھانے کی کسی چیز میں زہر کے چند قطرے ٹپکا دے، یا اگر وہ سفوف کی صورت میں ہے تو معمولی سا سفوف چھڑک دے، ہمارے ہاں کتوں کو مارنے والا زہر پاوڈر کی صورت میں مل جاتا ہے۔ کارپوریشن کے عملے کے پاس یہ زہر ہوتا ہے اور عملے کے کسی لالچی آدمی سے کوئی آوارہ یا خارش زدہ کتا ہلاک کرنے کے لیے زہر حاصل کرنا مشکل نہیں۔"

"تو کیا آپ کے خیال میں باقر رضا یہاں تک آ کر اپنا کام دکھا چکا ہے۔" محمود نے کہا۔

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا وار خالی گیا، ایسے موقعوں پر فرزانہ ضرور کام دکھا جاتی ہے، باورچی خانے کے معائنے کا خیال پہلے اسی کو آیا تھا، آؤ واپس چلتے

ہیں ، ہمیں فنگر پرنٹ کے عملے کو بلانا ہے ، فرنی تجزیہ کے لیے بھیجنی ہے ، تاکہ معلوم ہو سکے ، کونسا زہر اس میں ملایا گیا ہے۔ یہاں کوئی زہر کی شیشی بھی موجود نہیں ، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مجرم شیشی ساتھ ہی لے گیا۔"

وہ واپس آئے۔ انسپکٹر جمشید نے فنگر پرنٹ کے عملے کو فون کیا ، پھر کچھ یاد آنے پر انھوں نے شیخ رضا کے گھر کے نمبر ڈائل کیے۔ ادھر سے خان صاحب نے فوراً جواب دیا:

"ہیلو سر! کیا آپ کو بیگم صاحبہ کے بارے میں اطلاع مل چکی ہے۔"

"ہاں! لیکن میں ان حالات میں کس طرح جا سکتا ہوں ..... یہاں پولیس آ چکی ہے ، لاش پوسٹ مارٹم کے لیے چلی جائے ، تبھی گھر جا سکتا ہوں۔" انھوں نے بتایا۔

"آپ نے گھر فون تو کیا ہو گا ، وہاں کیا حال ہے۔"

"بیگم صاحبہ ہوش میں آ گئی ہیں ، انھوں نے بتایا ہے کہ باقر رضا ان سے پستول کی نالی کے زور پر یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ سب لوگ جج صاحب کے ہاں جمع ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے ، وہ کسی اور طرف گیا ہی نہیں ہو گا۔"

"ہاں! ادھر کیا حال ہے۔"

"یہاں کھانے میں زہر ملا دیا گیا تھا ، لیکن ہم لوگ بال بال

بچ گئے ، فرزانہ کو اچانک خیال آ گیا۔"

"اوہ!" خان صاحب دھک سے رہ گئے۔

"فارغ ہو کر آپ پہلے گھر چلے جائیے گا اور اگر وہاں حالت پرسکون ہو تو یہیں آ جائیں۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا۔

فنگر پرنٹ کے عملے کے آنے سے پہلے انھوں نے کھانا کھا لیا۔ عملے کے آنے پر انسپکٹر جمشید نے باورچی خانے کی کھڑکی ..... کے نیچے مکان سے باہر کی زمین وغیرہ پر سے قدموں اور انگلیوں کے نشانات اٹھوائے۔ فرنی تجزیے کے لیے بھیج دی گئی۔ ان سب کاموں سے فارغ ہوتے ہوئے انھیں رات کے دس بج گئے۔ نیند کا کسی کی آنکھوں میں دور دور تک پتا نہیں تھا ، فرنی میں زہر نے ان کے درمیان سنسنی کی لہر دوڑا دی تھی۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"اب میں چاہتا ہوں کہ آپ سب لوگ آرام کریں۔ آپ میں سے ہر ایک الگ الگ کمرے میں سوئے ، دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند کر لی جائیں۔ رات کے وقت کوئی باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے ، جب تک کہ میں اس کی ضرورت نہ سمجھوں ، ہم لوگ ساری رات جاگتے رہیں گے ..... باہر سادہ لباس والے بھی رات بھر پہرہ دیں گے۔ اس لیے آپ کو فکر کی کوئی ضرورت نہیں ، میں

آپ لوگوں کے چہروں پر خوف کے سائے دیکھ رہا ہوں، حالانکہ خوفزدہ ہونے والی کوئی بات نہیں، باقر رضا بھی ایک انسان ہے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"لیکن وہ ایک کوشش کر چکا ہے، یہ ضروری تو نہیں کہ وہ کوٹھی کے اندر ہی داخل ہو کر ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے، وہ اس کے لیے کوئی اور طریقہ بھی اختیار کر سکتا ہے جیسے کہ ابھی زہر استعمال کر چکا ہے۔" جج غلام رسول آغا نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن کوٹھی کے چاروں طرف سادہ لباس والے موجود ہیں۔ کوئی بھی طریقہ اختیار کرنے کے لیے آخر اسے کوٹھی کے نزدیک تو آنا ہی پڑے گا۔"

"زہر فرنی میں ملانے کے لیے وہ نزدیک بھی تو آ چکا ہے۔" صوفی جبار نے اعتراض کیا۔

"شاید یہ کام اس نے سادہ لباس والوں کے آنے سے پہلے کیا ہے..... اب باورچی خانے کی کھڑکی کی طرف بھی سادہ لباس والے موجود ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان سب کا اطمینان رفو چکر ہو چکا ہے اور بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئے ہیں، لیکن اب وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ آخر ان سب نے اپنے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ ارباب خان نے ہوٹل کے مالک

خادم حسین کے لیے بھی ایک کمرے کا بندوبست کر دیا تھا، کوٹھی کافی بڑی تھی۔ خادم حسین جب اٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگا تو انسپکٹر جمشید بولے:

"مسٹر خادم حسین! میں آپ سے کچھ باتیں کروں گا۔"

"بہت اچھا!" وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔ جب سب چلے گئے تو انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"باقر رضا آپ کے ہوٹل میں بڑی باقاعدگی سے بیٹھتا رہا ہے، آپ اس کے متعلق تفصیل سے بتا سکتے ہیں.... وہ کیسا آدمی تھا، اس نے دو آدمیوں کو کیوں جان سے مار ڈالا، آپ کے ہوٹل میں میں نے سنا ہے، جوا کھیلا جاتا ہے، کیا یہ بات سچ ہے؟"

"میرے ہوٹل میں تاش کے علاوہ دوسری کھیلیں بھی کھیلی جاتی ہیں، اب اگر کھیلنے والے خفیہ طور پر آپس میں شرطیں لگا لیتے ہیں یا جوا کھیل لیتے ہیں تو اس میں میں کیا کر سکتا ہوں، لیکن پولیس والے یہی سمجھتے ہیں کہ میں خود جوا کھلاتا ہوں..... حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، باقر رضا میرے ہوٹل میں واقعی ہر روز آیا کرتا تھا، غنڈہ ٹائپ لوگوں پر اس کا بہت رعب تھا، تاہم میری وہ بہت عزت کرتا تھا، ہوٹل میں اگر کوئی اونچی نیچی بات کرتا تو وہ اس سے جھگڑ پڑتا تھا۔ اگرچہ میں اسے روکتا ہی رہ جاتا، کیونکہ میں ایسے موقعوں پر قانون کی مدد لینے کو مناسب خیال کرتا ہوں...."

"جس دن آپ کے ہوٹل میں اس نے دو آدمیوں کو قتل کیا، آپ وہاں موجود تھے۔"

"جی نہیں! میں وہاں موجود نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ میں نے اس سلسلے میں عدالت میں کوئی بیان نہیں دیا تھا، بس عدالت میں یہ اقرار ضرور کیا تھا کہ باقر رضا میرے ہوٹل میں باقاعدہ آتا رہا ہے۔"

"خیر! آپ کو آپ کے ملازمین نے کیا بتایا تھا۔ باقر رضا کا ان دونوں کے درمیان کیا جھگڑا ہوا تھا۔"

"جھگڑے کی وجہ آج تک کسی کو معلوم نہیں ہو سکی.... بس تاش کھیلنے کے دوران اچانک باقر رضا نے پستول نکال لیا اور فائرنگ شروع کر دی، عدالت میں اس نے فائرنگ کی وجہ یہ بتائی تھی کہ ان دونوں نے تاش کے کھیل میں بے ایمانی کی تھی، اسے غصہ آ گیا، بات بڑھ گئی تو اس نے پستول نکال لیا، غصے میں آدمی کی مت ویسے ہی ماری جاتی ہے، بس اس نے فائرنگ کر دی۔"

"ہوں! اچھا، جو آدمی ہلاک ہوئے ان کے نام کیا تھے.... وہ کیا کرتے تھے، کون تھے.... کیا آپ بتا سکتے ہیں؟"

"ہاں! وہ بھی میرے ہوٹل کے مستقل گاہک تھے.... اور روزانہ تاش کھیلا کرتے تھے، ان کے نام خلیل اور بھابڑا تھے۔"

"شہر کے چھٹے ہوئے بدمعاش تھے، اچھے اچھوں کا ان سے

ناک میں دم تھا، لیکن جب سے باقر رضا نے ہوٹل میں آنا شروع کیا، اس وقت سے ان کا اثر کچھ کم ہو گیا تھا۔ خادم حسین نے بتایا۔

"وہ کرتے کیا تھے۔"

"بس یہی.... غنڈہ گردی، یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔"

"اور کچھ..... کوئی ایسی بات جو باقر رضا کی گرفتاری میں مدد دے سکے۔"

"میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"اچھا! آپ اپنے کمرے میں جائیں۔"

اس کے جانے کے بعد انسپکٹر جمشید نے ان سے کہا:

"پوری طرح ہوشیار رہنا، میں ذرا ہوٹل القارون جا رہا ہوں۔"

"ہوٹل القارون....... لیکن ابا جان آپ وہاں جا کر کیا کریں گے۔"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ باقر رضا نے خلیل اور بھابڑا کو کس بات پر ہلاک کیا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا اس سے کوئی مطلب نکلنے کی امید ہے۔"

"ہاں! امید ہے کہ تم ہر ممکن حفاظت کرو گے، یوں تو مجھے امید ہے کہ باقر رضا ادھر کا رخ کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید ان سے رخصت ہوئے، ہوٹل القارون

پہنچنے میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوئی، وہ سیدھے کاؤنٹر پر
گئے، کاؤنٹر پر ایک بہت بوڑھا آدمی موجود تھا۔

"مجھے مسٹر خادم حسین سے ملنا ہے۔"

"وہ اس وقت یہاں نہیں ہیں۔"

"اچھا اس ہوٹل کا سب سے پرانا ملازم کون ہے؟"

"مجھ سے پرانا ملازم بھلا کون ہوگا۔" اس نے سینے پر ہاتھ
رکھ کر کہا۔

"میں تم سے کچھ باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں.... اگر تعاون
کروگے تو انعام دوں گا اور اگر نہیں کروگے تو پولیس کے ذریعے
بند کرا دوں گا۔"

"پپ پولیس۔" وہ بوکھلا اٹھا۔

"ہاں! جلدی بتاؤ، انعام حاصل کرنا چاہتے ہو یا حوالات
کی سیر۔"

"کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو انعام کی بجائے حوالات کی
سیر کرنا پسند کرے گا۔"

"تو پھر تھوڑی دیر کے لیے یہاں کسی اور کو بٹھا دو۔"

"اچھی بات ہے، میں ہیڈ ویٹر کو یہاں بٹھاتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد دونوں دوسری منزل کے ایک خالی

کمرے میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ کاؤنٹر کلرک کچھ بوکھلایا
ہوا تھا:

"باقر رضا نے ان دو آدمیوں خلیل اور بھابڑا کو کیوں قتل
کیا تھا.... کیا تم بتا سکتے ہو؟"

"جی ہاں! بالکل بتا سکتا ہوں، اور یہ راز میرے علاوہ
اور کوئی جانتا بھی نہیں، مجھے بھی دراصل اس نے ایک بار باتوں
باتوں میں بتا دیا تھا۔" اس نے کہا۔

"اس نے کیا بتایا تھا؟" انسپکٹر جمشید پرجوش لہجے
میں بولے۔

"ایک دن باتوں باتوں میں کہنے لگا.... میں دو آدمیوں
کو قتل کر دوں گا، ان دونوں نے میری زندگی برباد
کر دی ہے، مجھے میرے باپ کی ساری جائداد سے
محروم کر دیا ہے...... میں ہر اس آدمی کو تباہ کر دوں
گا جس نے میری زندگی تباہ کی..... میں نے یہ سن کر
خیال کیا کہ یا تو وہ مذاق کر رہا ہے، یا پھر نشے میں
ہے، یونہی پوچھ بیٹھا، کسے جان سے مار ڈالنے کا ارادہ
ہے..... اس وقت اس نے جو دو نام لیے، وہ خلیل اور
بھابڑا کے تھے اور اس کے صرف دو دن بعد اس نے یہاں
ان دونوں پر فائرنگ کر دی، حالانکہ اس سے پہلے ان

میں کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا، کسی نے تو تو میں میں کی آواز
سنی نہیں۔"

"بہت خوب! اس کا مطلب ہے، اس نے دو دن پہلے دونوں
کو ہلاک کرنے کا پروگرام پہلے ہی بنا رکھا تھا....."

"جی ہاں! لیکن اس وقت میں یہی سمجھا تھا کہ وہ مذاق
کر رہا ہے، ورنہ پولیس کو ضرور اطلاع کرتا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے، اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں، کیا وہ کاؤنٹر
پر عام طور پر کھڑا ہوتا تھا۔" انہوں نے پوچھا۔

"کبھی کبھار..... وہ اس ہوٹل میں مجھے بہت پسند کرتا تھا،
اسی لیے میرے پاس رک کر دو چار باتیں کر لیتا تھا۔"

"تمہارے ہوٹل کا مالک کیسا آدمی ہے، کیا وہ واقعی جوا
کھلواتا ہے۔"

"جی نہیں، لوگ ہی چوری چھپے جوا کھیلتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے، بس مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا، یہ لو اپنا
انعام.... اور ہاں، مجھے یہاں سے ایک فون بھی کرنا ہے۔"
انہوں نے اسے سو روپے کا ایک نوٹ اور ایک کال کے
پیسے دیتے ہوئے کہا:

"ضرور کریں۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔ انہوں نے پہلے تو
اکرام کو فون کیا، اسے چند ہدایات دیں.... پھر کچھ سوچ

کر کاؤنٹر کلرک سے کہا کہ ابھی وہ ہوٹل بند نہ کرے اور اس کے
بعد انہوں نے ڈی آئی جی خان صاحب کے نمبر ڈائل کیے، دوسری
طرف گھنٹی بجتی رہی، لیکن ریسیور کسی نے نہیں اٹھایا۔ کافی دیر
تک گھنٹی بجتے رہنے پر بھی کوئی فون کی طرف متوجہ نہ ہوا تو
انہوں نے سخت بے چینی محسوس کی، وہ فوراً وہاں سے نکلے
اور خان صاحب کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے.... کوٹھی کے
دروازے پر پہنچتے ہی انہیں محسوس ہوا، اندر کوئی گڑبڑ ہے۔"

فضول ترین کیس

نثار احمد خان شیخ رضا کے ہاں سے فارغ ہونے کے بعد گھر کی طرف روانہ ہو گئے..... دروازے کے سامنے پہنچے تو چوکیدار کو غائب پایا۔ ان کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئیں۔ جلدی سے اندر داخل ہوئے:

"رحیم بابا..... تم کہاں ہو..... چوکیدار کدھر گیا..... بیگم اندر خیریت تو ہے؟"

ان کی آواز کا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اب تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ ہر قسم کی احتیاط سے بے پروا ہو کر وہ فوراً اندر داخل ہوئے۔ کوٹھی کے کمرے سائیں سائیں کر رہے تھے، ان کے بلب جل رہے تھے، لیکن تینوں افراد میں سے کوئی بھی انہیں نظر نہ آیا۔ آخر وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے اور پھر ٹھٹک کر رہ گئے۔ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ چوکیدار، رحیم بابا اور ان کی بیگم رسیوں سے بندھے پڑے تھے، ان کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اوپر رومال باندھ دیے گئے تھے اور اب وہ آواز تک نہیں نکال سکتے تھے۔ ان کے ہاتھ ان کی کمروں پر بندھے تھے اور دونوں پیروں کو آپس میں ملا کر باندھنے کے بعد رسی کے سرے کو دوبارہ ہاتھوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ کمرے میں ان کے علاوہ انہیں اور کوئی نظر نہ آیا۔

"اوہ! یہ کس نے کیا..... وہ کون بے رحم تھا۔" انہوں نے جھلا کر کہا اور انہیں کھولنے کے لیے اندھا دھند آگے بڑھے، لیکن عین اس وقت پستول کی نالی ان کی گدی سے آ لگی اور ایک سرد آواز نے ان کا مزاج پوچھ ڈالا:

"نہیں خان صاحب! ابھی انہیں کھولنے کا وقت نہیں آیا۔"

آواز سن کر وہ ساکت رہ گئے۔ باقر رضا کی آواز بھلا وہ کس طرح نہ پہچانتے:

"باقر! یہ تم ہو؟" ان کے منہ سے نکلا۔

"یقین کرنے کے لیے آپ میری طرف مڑ سکتے ہیں خان صاحب۔"

اس نے گویا انہیں مڑنے کی اجازت دی۔ وہ اس کی طرف گھوم گئے۔ چہرے پر ایک بے رحم مسکراہٹ لیے باقر رضا ان کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ جیل میں اس سے ملنے کے لیے کبھی نہیں گئے تھے، تاہم اس کے نقش و نگار میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا، وہ اسی طرح ہٹا کٹا اور چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو باقر، کس لائن پر چل نکلے ہو، تمہیں کیا مل جائے گا"۔

"یہ اطمینان مجھے مل جائے گا کہ میں نے ان سب لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے جنہوں نے مجھے برباد کر دیا، تباہ کر دیا، کیا اچھی زندگی گزارنے کا مجھے حق حاصل نہیں تھا، پھر مجھ سے اچھی زندگی کیوں چھین لی گئی"!

"تم نے اپنی زندگی خود برباد کی ہے باقر... بچپن میں تم نے باپ کی تجوری سے رقمیں اڑائیں....."

"لیکن کیوں" وہ چلا اٹھا۔ اس نے خان صاحب کی بات بھی پوری نہ کرنے دی: "میرا باپ اچھا بھلا دولت مند تھا، پھر وہ مجھے خرچ کرنے کے لیے کیوں پیسے نہیں دیتا تھا، یہ اس کی کنجوسی تھی جس نے مجھے یہ دن دکھائے۔ شروع میں میں نے اپنے گھر میں چوری کی، پھر دوسروں کے گھروں میں چوریاں کیں، چوریاں کرنے والوں کے دوست چور ہی تو ہوتے ہیں، لہٰذا مجھے بھی چور دوست مل گئے۔ چور دوستوں سے مجھے کیا مل سکتا تھا، میں چھٹا ہوا بدمعاش بن گیا۔ لوگ مجھ سے ڈرنے لگے، میں انہیں خوفزدہ دیکھ دیکھ کر خوش ہونے لگا اور.... بڑا غنڈہ بن گیا.... مجھے غنڈہ گردی کے راستے پر لگانے والے دو آدمی تھے، ایک خلیل دوسرا بھاجڑا.... لیکن نہیں.... میں یہاں یہ کہانی کیوں سنا

رہا ہوں مجھے تو یہ کہانی ان سب لوگوں کو سنانا چاہیے۔ جن سے مجھے انتقام لینا ہے.... ٹھیک ہے، اب میں بار بار تو یہ کہانی سنانے سے رہا اور یہ کہانی سنا کر میں اس جج کے بچے سے پوچھوں گا کہ بتاؤ مجرم کون ہے.... اگر مجرم میں نہیں تو پھر سزا مجھے کیوں دی گئی ہے"

"لیکن باقر.... تم اب ان لوگوں تک نہیں پہنچ سکو گے، ان کی حفاظت انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے کر رہے ہیں، جج صاحب کی کوٹھی کو سادہ لباس والوں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے"

خان صاحب بولے۔

"یہ آپ کی بھول ہے ڈی آئی جی صاحب.... میں اس سے پہلے ان کی فرنی میں زہر ملا چکا ہوں، یہ اور بات ہے کہ میرا وار خالی گیا.... میں وہیں ایک جگہ چھپ کر نتیجے کا انتظار کر رہا تھا، لیکن جب کچھ بھی نہ ہوا تو میں سمجھ گیا کہ میرا پہلا وار خالی گیا ہے، چنانچہ میں نے دوسرے کے لیے منصوبہ بنانا شروع کیا اور آخر میں منصوبہ بنانے میں کامیاب ہو ہی گیا"۔

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب!!" وہ چونکے۔

"مطلب یہ کہ اس منصوبے کا پہلا مرحلہ مکمل ہو چکا ہے اور اب دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے"

"میں سمجھا نہیں۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" انہوں نے پریشان ہو کر کہا اور اسے گھورنے لگے۔

"آپ بہت جلد سمجھ جائیں گے.... اٹھائیے فون کا ریسیور اور ملائیے نمبر جج صاحب کے۔"

خان صاحب پہلے تو اسے بری طرح گھورتے رہے اور پھر پہلو میں جب پستول کی نالی کا دباؤ بڑھنے لگا تو مجبور ہو کر ریسیور اٹھا لیا اور جج غلام رسول آغا صاحب کے نمبر گھمانے لگے۔

○

"میرے نزدیک یہ کیس فضول ترین کیس ہے۔" فاروق نے اعلان کرنے والے انداز میں ہاتھ لہرا کر کہا۔

"تمہارے نزدیک یہ کیس فضول ترین کیس کیوں ہے، ذرا ہم بھی تو سنیں.... لوگوں کی جان پر بنی ہے اور تم اسے ...." فرزانہ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ہاں! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، اچھا ذرا تم ہی بتاؤ، اس کیس میں اب تک ہم نے کیا کیا ہے۔" فاروق بولا۔

"کریں گے تو تب، جب کچھ کرنے کا موقع ملے، جہاں تک میں سمجھتا ہوں، ابھی تک تو کسی کو بھی کام کرنے کا موقع نہیں ملا، ہاں

مجرم ضرور کام دکھاتا پھر رہا ہے، پہلے وہ خان صاحب کے گھر وارد ہوا، وہاں سے نقدی اور پستول حاصل کیا، پھر اس نے اپنے باپ کو ہلاک کیا اور یہاں کھانے میں زہر ملا دیا گیا، اب شاید میٹھی نیند کے مزے لے رہا ہو گا کہ اس نے اپنا انتقام پورا کر لیا، لیکن اس بیچارے کو کیا خبر کہ اس کا زہر بے کار گیا ہے، زہر پر اس نے جو پیسے خرچ کیے، وہ ضائع گئے ہیں۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"اس لیے میں نے اسے فضول ترین کیس کہا ہے، جس میں مجرم کو تو خوب کام کرنے کا موقع مل رہا ہے اور ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"تو پھر یوں کرو کہ ہاتھوں اور پیروں کو زور زور سے ہلانا جلانا شروع کر دو۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"اب میں اتنا بھی بے وقوف نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"شکر ہے خدا کا، آج تم نے خود کو بے وقوف تسلیم تو کیا۔"

"اور یہ فضول کیس اس طرح بھی ہے کہ اس میں تفتیش طلب بات کوئی نہیں، نہ ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ مجرم کون ہے اور نہ یہ معلوم کرنا کہ وہ مجرم کیوں بن گیا۔"

"یہ تو خیر ہمیں معلوم کرنا ہے کہ وہ مجرم کیوں بنا، ابا جان یہی معلوم کرنے گئے ہیں اور یہ بھی کہ اس نے ان دو آدمیوں کو

کیوں ہلاک کیا تھا۔"

"وہ معلوم کرنے گئے ہیں نا، ہم تو کچھ بھی نہیں کر رہے ہیں۔"
فاروق نے اعتراض کیا۔

"ہم ان سب لوگوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔"

"بند کمروں میں یہ لوگ تو یوں بھی محفوظ ہیں، اس میں ہمارا
کیا کمال۔" فاروق بولا۔

"آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے، تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"میں کہتا ہوں، کچھ تیزی چاہتا ہوں، مجرم جلد از جلد یہاں
آئے اور ہم اس سے دو دو ہاتھ کریں، اسے قانون کے حوالے
کریں اور سکھ کی نیند سو جائیں۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"ہائیں فاروق ہائیں، یہ تم کہہ رہے ہو۔" فرزانہ نے حیرت سے
آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"دو مرتبہ ہائیں کہنے کی ضرورت نہیں تھی، تم نے ایک ہائیں
کو یونہی ضائع کیا۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"معلوم ہوتا ہے، تم پر بھی فاروق کا سایہ پڑ گیا ہے۔"

"یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔" محمود بولا۔

"کیا ہوتا رہتا ہے۔" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہی سایہ پڑنا ... ہم چونکہ ساتھ ساتھ رہتے ہیں، لہذا ایک
دوسرے کے سائے ایک دوسرے پر پڑتے ہی رہتے ہوں گے، اس

میں نئی کیا بات ہو گئی۔ محمود نے منہ بنایا۔

"دھت تیرے کی۔" فرزانہ نے جھلا کر اپنی ران پر زور سے
ہاتھ مارا اور پھر سی کر کے رہ گئی، شاید ہاتھ بہت زور سے
لگ گیا تھا

"کمال ہے بھئی، آخر تم کس طرح دن میں پندرہ بیس مرتبہ ران
پر زور زور سے ران پر ہاتھ مار لیتے ہو، میری تو ایک ہی بار میں
سٹی گم ہو گئی۔"

"چلو اچھا ہی ہے کہ گم ہو گئی، اب تمہیں سٹی گم ہونے کا
فکر نہیں رہے گا۔" فاروق نے بزرگوں کے سے انداز میں کہا۔

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی، تینوں اس کی طرف متوجہ
ہو گئے۔

"اس فون کی گھنٹی کو بھی ذرا آرام نہیں، بس ہر وقت بجتی
رہتی ہے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"لو ابھی بیکاری سے اکتائے ہوئے تھے، اب انہیں فون کی
گھنٹی بھی بری لگنے لگی۔" فرزانہ نے کہا اور محمود نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو... کون صاحب؟"

"میں نثار احمد خان بول رہا ہوں..... محمود! یہ تم ہو۔"

"جی ہاں! خیر تو ہے انکل، آپ اس وقت کہاں ہیں۔"

"میں اپنے گھر سے بول رہا ہوں اور اب ادھر ہی آ رہا ہوں،

میں نے باقر رضا کو گرفتار کر لیا ہے۔۔۔"

"جی!!! کیا فرمایا آپ نے، اسے گرفتار کر لیا ہے۔"

"ہاں! اس وقت وہ میرے پستول کی زد پر ہے، لہذا میں اسے لے کر یہیں آ رہا ہوں۔"

"بہت خوب! ہم آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" محمود نے خوش ہو کر کہا اور دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

"لو بھئی! یہ تو معاملہ ہی ختم ہو گیا، خان صاحب نے کام دکھا دیا، باقر رضا کو گرفتار کر لیا۔۔۔ اب وہ اسے لے کر یہاں آ رہے ہیں۔"

"سوال یہ ہے کہ وہ اسے یہاں کیوں لا رہے ہیں، گرفتار کرنے کے بعد تو اسے پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے تھا۔" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"جب وہ یہاں آئیں تو ان سے پوچھ لینا کہ وہ اسے یہاں کیوں لائے ہیں، میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ یہ ایک فضول ترین کیس ہے۔"

"لیکن مجھے خطرے کی بو آ رہی ہے، بھلا خان صاحب اس مجرم کو لے کر یہاں کیوں آنے لگے جو خود یہاں آنا چاہتا تھا، لیکن حفاظتی انتظامات کی وجہ سے آ نہیں سکا۔" فرزانہ بولی۔

"تمہارا خیال کچھ ٹھیک لگتا ہے، ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔" محمود نے کہا۔

"اگر کوئی گڑبڑ ہے تو ہم اس کا چٹکی بجا کے پتا چلا سکتے ہیں۔" فاروق نے اکڑ کر کہا۔

"اچھا! ذرا بجانا تو چٹکی۔"

"ابھی ٹھہرو، خان صاحب ابھی شاید وہاں سے روانہ نہ ہوئے ہوں، ہمیں ایک آدھ منٹ ٹھہر کر ان کی کوٹھی فون کرنا چاہیے، گھر کے افراد سے یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ ادھر کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی۔" فاروق نے ترکیب بتائی۔

"بھئی بہت خوب! تم پر بھی شاید فرزانہ کا سایہ پڑ گیا ہے، ترکیب تو واقعی زوردار ہے۔"

ایک منٹ بعد محمود نے خان صاحب کے نمبر ڈائل کیے۔ ادھر گھنٹی بجتی رہی، لیکن فون کسی نے نہ اٹھایا، تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر محمود نے سرد آواز میں کہا:

"اس کا مطلب ہے، کام شروع ہو گیا ہے، خطرہ ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔"

"ہاں! جو کچھ کرنا ہے، فوری طور پر کر لو۔"

"سب سے پہلے سادہ لباس والوں کو خبردار کرنا چاہیے، تاکہ وہ پوزیشن سنبھال لیں اور ہر صورتِ حال سے نبٹنے کے لیے تیار ہو جائیں، اس کے بعد ہمیں کمروں میں بند حضرات کو بھی ہوشیار

کرنا ہو گا، ابا جان اب تک واپس نہیں لوٹے، کاش اس وقت وہ یہیں ہوتے۔" محمود نے کہا۔

"آخر.... ہم ایک آدمی سے اتنا کیوں ڈر رہے ہیں۔" فاروق بولا۔

"اس لیے کہ وہ قاتل ہے.... اور قاتل ایک قتل کرنے کے بعد یہ سوچتا ہے کہ اب چاہے اس کے ہاتھ سے کتنے ہی آدمی کیوں نہ مارے جائیں، اسے کیا فرق پڑتا ہے۔" محمود نے جواب دیا۔

"دوسرے یہ کہ اس سے خوف زدہ ہم نہیں، وہ پانچ حضرات ہیں جنہیں وہ ہلاک کرنا چاہتا ہے.... اور ان پانچوں کا خوف زدہ ہونا بے معنی نہیں، وہ یہ بات جانتے ہیں کہ باقر رضا پہلے ہی تین آدمیوں کا خون کر چکا ہے۔ ان حالات میں وہ خوف زدہ نہیں ہوں گے تو کیا کریں گے۔"

"اچھا بابا، تمہارا ہی خیال ٹھیک ہے، اب جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو، ایسا نہ ہو، خان صاحب اس کے ساتھ یہاں پہنچ جائیں۔"

انہوں نے سب سے پہلے سادہ لباس والوں کو ساری بات بتائی.... وہ فکر مند ہو گئے اور مورچے سنبھالنے لگے۔ وائرلیس پر مزید آدمیوں کے لیے پیغام دیا گیا۔ اب وہ تینوں اندر آئے اور دروازوں پر دستک دے کر بولے:

"ایک منٹ کے لیے آپ پانچوں حضرات ذرا باہر آ جائیں۔"

"لیکن آپ کے والد کی ہدایت یہ ہے کہ جب تک وہ آپ لوگوں کو باہر آنے کے لیے نہ کہیں، آپ باہر نہ آئیں۔" اندر سے خادم حسین نے کہا۔

"اس وقت وہ یہاں موجود نہیں ہیں، ان کی غیر حاضری میں ذمے داری ہم پر آ پڑتی ہے۔ ایک خاص بات آپ لوگوں کو بتانا چاہتے ہیں، اگر آپ لوگ کمروں سے باہر نہیں آنا چاہتے تو اندر رہ کر ہی سن لیں، اس طرح ہمیں بات کو پانچ مرتبہ دہرانا پڑے گا اور وقت ضائع ہو گا، جبکہ وقت ضائع کرنے کا نتیجہ خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔"

کمروں کے دروازے دھڑا دھڑ کھلنے لگے، نہ صرف وہ پانچوں باہر نکل آئے، بلکہ جج صاحب کے چاروں بچے بھی باہر آ گئے۔

البتہ ملازم کوٹھی کے سرونٹ کوارٹر میں تھا، اس لیے وہ نہ آ سکا۔

"ابھی ابھی ہمیں ڈی آئی جی خان صاحب کا فون موصول ہوا ہے، انہوں نے بتایا ہے کہ انہوں نے باقر رضا کو گرفتار کر لیا ہے اور وہ اسے لے کر یہاں آ رہے ہیں۔" محمود نے کہنا شروع کیا، ایک لمحے کے لیے رکا تھا کہ صوفی جبار بول پڑے:

"بھئی واہ! یہ تو بہت خوشی کی بات ہے، آپ لوگوں نے تو ہمیں پریشان ہی کر دیا تھا۔"

"یہ خبر خوشی کی ۔۔۔۔ تو نہیں ہے، اگر خان صاحب نے باقر رضا کو گرفتار کر لیا ہے تو پھر وہ اسے لے کر یہاں کیوں آ رہے ہیں، انہیں تو چاہیے تھا کہ اسے فوراً پولیس کے حوالے کر دیں، لہٰذا کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے، یہ اس بات سے بھی ثابت ہے کہ ہم نے خان صاحب کے گھر چند منٹ ٹھہر کر فون کیا تھا، لیکن ادھر سے کوئی ریسیور نہیں اٹھا رہا، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ گڑ بڑ ضرور ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ خوف زدہ انداز میں کھل گئے۔

"ہم نے سادہ لباس والوں کو خبردار کر دیا ہے اور انہوں نے مورچے سنبھال لیے ہیں۔ آپ لوگوں کو بھی خبردار کر دیا ہے، اب آپ ایک بار پھر کمروں میں جا سکتے ہیں۔"

"لیکن آپ کے ابا جان کہاں ہیں؟" جج صاحب نے پریشان ہو کر کہا۔

"وہ باقر رضا کی تلاش میں گئے تھے، ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے، لیکن آپ لوگ فکر نہ کریں۔"

"خدا خیر کرے، مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" بیگم شیرازی بولیں۔

"خیر آپ لوگ کمروں میں بند ہو جائیں، ہم انشاء اللہ اسے

اب تک نہیں پہنچنے دیں گے۔"

"اگر وہ خان صاحب کو گھیر کر یہاں لا رہا ہے تو آپ کیا کریں گے؟" صوفی جبار نے کہا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم کیا کر سکیں گے ۔۔۔۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں ۔۔۔۔ آپ لوگ مہربانی فرما کر فوراً کمروں میں چلے جائیں۔"

عین اسی وقت انہوں نے باہر ایک کار کی آواز سنی، ساتھ ہی ایک گرج دار آواز کوٹھی کے اندر آنے لگی

عجیب منظر

انسپکٹر جمشید کو خان صاحب کی کوٹھی کے دروازے پر
چوکیدار نظر نہیں آیا تھا، اس لیے انہیں کسی گڑبڑ کا احساس
ہوگیا، اگرچہ یہ احساس اس وقت ہی ہو چکا تھا جب کسی
نے فون نہیں اٹھایا تھا۔ تیسرے یہ کہ دروازہ بھی بند نہیں
تھا۔ انہوں نے پستول جیب سے نکال لیا اور اندر داخل ہوئے۔
دبے پاؤں چلتے ہوئے وہ ایک کمرے میں جھانکتے ہوئے آگے
بڑھنے لگے .... یہاں تک کہ ڈرائنگ روم تک پہنچ گئے۔ اندر
انہیں کسی کے زور زور سے سانس لینے کی آواز سنائی دی...
انہوں نے .... دروازے کی بجائے کھڑکی کا رُخ کیا اور شیشے
میں سے اندر دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ چونک اٹھے......
چند سیکنڈ تک سوچتے رہے پھر دروازے کی طرف آئے اور
اندر داخل ہو گئے۔ خان صاحب کی بیگم اور ان کے دونوں ملازم

بندھے پڑے تھے، جلدی جلدی انہیں کھولا، منہ سے کپڑے نکالے
اور بولے:

"جلدی بتایئے، کیا ماجرا ہے؟"

"وہ..... وہ انہیں اپنے ساتھ لے گیا ہے۔" بیگم نثار احمد بولیں

"کون.... کیا باقر رضا...؟" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔

"ہاں! پستول کے زور پر وہ انہیں جج صاحب کی کوٹھی کی
طرف لے گیا ہے۔" انہوں نے بتایا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"اور جانے سے پہلے اس نے جج صاحب کی کوٹھی میں فون
بھی کرایا تھا، فون پر خان صاحب نے یہ کہا تھا کہ انہوں
نے باقر رضا کو گرفتار کر لیا ہے اور وہ اسے لے کر آ رہے
ہیں، حالانکہ یہ بات نہیں تھی، باقر رضا نے تو انہیں پستول کی
زد پر لے رکھا تھا۔"

"اوہ! میں دیکھتا ہوں۔ آپ لوگ آرام کریں۔"

یہ کہہ کر وہ باہر کی طرف دوڑے، کار میں بیٹھے اور جج صاحب
کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ اندھا دھند کار چلا رہے
تھے۔ جب وہ جج صاحب کی کوٹھی کے سامنے پہنچے تو یہ دیکھ
کر ان کی سٹی گم ہو گئی کہ باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ سادہ لباس والوں
تک کا کوئی پتا نہیں تھا۔ اب تو ان کی پریشانی بہت بڑھ گئی۔

انہوں نے فوراً دروازے کا رُخ کیا، لیکن دروازہ تو اندر سے
بند تھا.... اس کا مطلب یہ تھا کہ باقر رضا سب کے ساتھ
اندر پہنچ چکا ہے۔ انہوں نے جلدی جلدی کوٹھی کے دائیں بائیں
اور پچھلے حصے کا جائزہ لیا، آخر پانی کا ایک پائپ اوپر جاتا نظر
آیا۔ انہوں نے جوتے اتارے اور پائپ کے ذریعے اوپر چڑھ
گئے، ابھی زینے کا رُخ کر رہے تھے کہ ایک بلند آواز نے
ان کے پاؤں جکڑ لیے...... منڈیر کی طرف بڑھے، جھک کر
دیکھا تو ایک عجیب منظر نظر آیا۔

○

اندر آنے والی آواز یہ تھی:

"جج صاحب، صوفی جبار صاحب، انسپکٹر بخاری صاحب
اور بیگم شیرازی صاحبہ.... میں آ گیا ہوں...."

اس بلند آواز کے ساتھ ہی آس پاس کی کچھ کھڑکیاں کھلنے
کی آواز سنائی دی۔ شاید تیز آواز نے کچھ پڑوسیوں کو جگا دیا تھا۔
ادھر ان لوگوں کے چہرے سفید پڑ گئے۔ باقر رضا نے اب سادہ
لباس والوں سے کہا:

"میں جانتا ہوں، تم لوگ مورچے سنبھالے بیٹھے ہو، لیکن
سن لو، اس وقت نثار احمد خان ڈی آئی جی صاحب میرے

پستول کی زد میں ہیں..... تم میں سے دو میرے نزدیک آ کر اس
منظر کو بغور دیکھ کر یقین کر لیں۔"

کسی سادہ لباس والے نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔

باقر رضا غصے میں پھنکارا:

"میں نے کہا ہے کہ دو سادہ لباس والے یہاں آ کر دیکھیں، اگر
اب بھی کوئی نہ آیا تو خان صاحب کی لاش تڑپتی نظر آئے گی۔"

چند لمحے خاموشی طاری رہی، پھر دو سادہ لباس والے اٹھ کر کھڑے
ہو گئے اور کار کی طرف بڑھنے لگے۔ انہوں نے قریب آ کر اپنی
آنکھوں سے یہ دیکھ لیا کہ خان صاحب کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر
بیٹھے تھے اور پستول کی نالی ان کی کنپٹی پر رکھی تھی۔

"تم نے دیکھ لیا، اب تم دونوں یہیں ٹھہرو اور اپنے باقی
ساتھیوں کو بھی یہیں بلا لو۔"

"کیا مطلب؟" ایک سادہ لباس والے نے چونک کر کہا۔

"اپنے باقی ساتھیوں کو بھی یہیں بلا لو، یہاں چھ سادہ لباس
والے پہرہ دے رہے تھے، باقی چار بھی یہیں آ جائیں، ورنہ
خان صاحب اور یہ دونوں ساتھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں
گے۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔ ایسے میں خان صاحب کی
آواز گونج اٹھی:

"تم لوگ اس شخص کے احکامات کی تعمیل کرنے کے لیے

مجبور نہیں ہو، میں تمہیں اجازت دیتا ہوں، اس شخص پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دو۔"

"لیکن سر! اس طرح آپ کی جان کو بھی خطرہ ہے۔" کوٹھی کی دیوار کے ساتھ لگے ایک سادہ لباس والے نے کہا۔

"پروا نہ کرو۔"

"اب صرف خان صاحب ہی جان سے ہاتھ نہیں دھوئیں گے، ان کے ساتھ تمہارے دو ساتھی بھی ہلاک ہوں گے، لہذا میرا بہترین مشورہ یہ ہے کہ باقی چار بھی اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ آ کر کھڑے ہو جائیں۔"

چند سیکنڈ بعد باقی چار سادہ لباس والے بھی اپنے دو ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے۔ اب باقر رضا نے کہا۔

"خان صاحب! آپ بھی کار سے نکل کر ان کے ساتھ کھڑے ہو جائیں۔"

خان صاحب نے اس کی ہدایت پر عمل کیا:

"کوٹھی کے دروازے کی طرف بڑھو اور اندر والوں سے کہو، دروازہ کھول دیں۔ اگر انہوں نے دروازہ نہ کھولا تو اندر موجود میرے پانچ دشمنوں کی بجائے ان سات آدمیوں کی لاشیں زمین پر گریں گی۔"

ساتوں آدمی آگے بڑھنے لگے۔ باقر رضا کار چلاتا ان کے

پیچھے چلا، اس طرح کہ اس کا پستول والا ہاتھ کھڑکی سے باہر تھا اور پستول کی نالی کا رخ ساتوں کی طرف تھا۔

○

"اف خدا! یہ کیا ہو گیا، فاروق اب بتاؤ، ہم کیا کریں،" تم اسے ایک فضول کیس کہہ رہے تھے، اس لیے کہ ہمیں کوئی کام کرنے کا موقع نہیں ملا تھا، اب موقع مل گیا ہے، بتاؤ، ہم کیا کریں، باہر سات آدمیوں کی زندگی خطرے میں ہے اور اندر پانچ آدمیوں کی۔ اگر ان پانچ کو بچاتے ہیں تو سات آدمی جان سے جاتے ہیں اور سات کو بچاتے ہیں تو ان پانچوں کو قاتل کے سامنے لا کھڑا کرنا ہوگا۔"

"یہ ہمیں کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"یہ وقت غصہ کھانے کا نہیں، ٹھنڈے دل اور دماغ سے کام لینے کا ہے، ورنہ کام خراب ہو جائے گا۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"تو کام سنور ہی کب رہا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"ہمیں کوئی موقع حاصل کرنے کے لیے ان لمحات کو طول دینا ہے، اس وقت ہم صرف یہ کر سکتے ہیں، ابا جان یہاں ہوتے

تو وہ بھی بس یہی کرتے۔" فرزانہ نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو، آؤ دروازے پر چلیں۔" محمود نے کہا۔

"کیوں نہ میں چھت پر جا کر چھپ جاؤں ....." فرزانہ بولی۔

"اگر اسے یہ معلوم ہے کہ ہم یہاں موجود ہیں تو وہ ہمیں بھی سادہ لباس والوں کی لائن میں کھڑا ہونے کا حکم دے گا۔"

"خدا جانے اسے معلوم ہے یا نہیں، کوشش کر دیکھنے میں کیا حرج ہے۔"

"اچھا! تم چھت پر چلی جاؤ، ہم دروازے پر جاتے ہیں۔"

دونوں دروازے پر پہنچے، باہر سے ایک سادہ لباس والے نے کہا:

"دروازہ اندر سے کھول دیا جائے۔ اس وقت سات آدمی مجرم کے پستول کی زد پر ہیں، اگر دروازہ نہ کھولا گیا تو وہ ساتوں کو بھون ڈالے گا۔"

"انکل خان صاحب! آپ کیا کہتے ہیں؟" محمود نے پوچھا۔

"اگر معاملہ مجھ اکیلے کی ذات کا ہوتا تو میں یہی کہتا کہ چاہے کچھ ہو جائے، تم دروازہ نہیں کھولو گے ..... لیکن میرے ساتھ اب چھ اور جانوں کا معاملہ ہے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا، جو تمہارے دل میں آئے کرو، کیا انسپکٹر جمشید اندر نہیں ہیں؟" انہوں نے کہا، اگرچہ جانتے تھے کہ وہ نہیں ہیں، یہ انہوں نے اس لیے

کہا کہ باقر کو پہلے ہی معلوم ہو جائے کہ انسپکٹر جمشید اندر نہیں ہیں، ورنہ وہ ان کا حاضر ہونے پر اصرار کرتا اور گڑبڑ ہو سکتی تھی۔

"اچھی بات ہے، ہم دروازہ کھول رہے ہیں۔" محمود نے کہا اور دائیں بائیں ہٹتے ہوئے چٹخنی گرا دی۔

"ساتوں حضرات اندر داخل ہو جائیں، انسپکٹر جمشید کے بچے بھی ان کے ساتھ کھڑے نظر آئیں، اگر وہ سامنے نہیں آئیں گے تو میں فائرنگ شروع کر دوں گا اور سب سے پہلی گولی خان صاحب کے لگے گی۔"

محمود اور فاروق نے عجیب قسم کی بے چارگی اس وقت محسوس کی۔ آخر وہ سامنے آ گئے۔

"تمہاری بہن کہاں ہے؟"

"ہو گی اندر کہیں۔"

"اس سے کہو تمہارے ساتھ آ کر کھڑی ہو جائے..... دیر نہ کرو، میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"فرزانہ تم کہاں ہو، ہمارے ساتھ آ جاؤ۔"

ایک منٹ بعد فرزانہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئی۔

"تو انسپکٹر جمشید اس وقت یہاں نہیں ہیں؟"

"نہیں۔" محمود نے کہا، باقر رضا ابھی تک دروازے میں کھڑا تھا، اس نے کمر چوکھٹ سے لگا رکھی تھی اور اب باہر

سے بھی اس پر حملہ نہیں کیا جا سکتا تھا، پھر اس نے اندر
آتے ہی دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وہ اندر موجود نہیں ہیں۔"

"تھوڑی دیر پہلے وہ ہوٹل القارون گئے تھے، تم وہاں فون
کر کے معلوم کر سکتے ہو کہ وہ آئے تھے یا نہیں اور آئے تھے تو
کس وقت۔" محمود نے تجویز پیش کی۔

"تجویز اچھی ہے، فون اٹھا کر میرے پاس لے آؤ، بلکہ ہوٹل
القارون کے نمبر ڈائل کر کے کاؤنٹر کلرک سے میری بات کرا دو۔"
اس نے کہا۔

"بہت اچھا، ابھی لو۔" محمود نے کہا اور اس سے ہوٹل
کے نمبر پوچھ کر ڈائل کیے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی کاؤنٹر
کلرک نے کہا:

"ہوٹل بند ہونے والا ہے، اس وقت کسے فون کرنے کی
ضرورت پیش آ گئی۔"

"مسٹر باقر رضا آپ سے کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں، مہربانی
فرما کر ان سے بات کریں۔"

"کون؟" دوسری طرف سے چیخ کر کہا گیا۔

"باقر رضا.... میں نے یہی نام لیا ہے، لیجیے بات کیجیے۔"
یہ کہہ کر محمود نے ریسیور والا ہاتھ باقر رضا کی طرف بڑھا دیا۔

لیکن اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔

"میز پر رکھ کر دو اور میز سے دس گز دور ہٹ جاؤ۔
باقی لوگ بھی دس گز دور ہٹ کر کھڑے ہو جائیں، کسی نے
ذرا بھی حرکت کی تو میں گولی چلا دوں گا۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ کو باقر رضا کی چالاکی پر حیرت
ہو رہی تھی، وہ انہیں کوئی موقع نہیں دے رہا تھا۔ آخر وہ
سب میز سے دس گز دور ہٹ گئے۔ اب اس نے آگے بڑھ کر
احتیاط سے جھکتے ہوئے ریسیور اٹھایا، ایسے میں بھی اس کی
نظریں ان سب پر جمی تھیں، ادھر محمود، فاروق اور فرزانہ کو
اس پر بے تحاشہ تاؤ آ رہا تھا، اتنے چالاک مجرم سے ان
کا واسطہ بہت کم پڑا تھا۔

"ہیلو!" اس نے ریسیور میں کہا۔ "کون بول رہا ہے۔"

"میں ہوٹل القارون کا کاؤنٹر کلرک رحمان شاہ بول رہا ہوں
.... کیا آپ باقر رضا ہیں۔"

"ہاں میں تمہاری آواز پہچان رہا ہوں، رحمان شاہ، میں تم
سے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور معلوم کریں، آپ یہاں کے مستقل گاہک تھے اور
میں آپ کو بہت پسند کرتا تھا، آپ بھی مجھے بہت پسند
کرتے تھے.... آپ کو یاد ہو گا۔"

"ہاں! مجھے تمام باتیں یاد ہیں ..... کیا تھوڑی دیر پہلے یہاں انسپکٹر جمشید آئے تھے۔"

"ہاں آئے تھے اور آپ کے بارے میں انہوں نے مجھ سے ہی پوچھا تھا۔"

"بہت خوب! خیر مجھے اس کی پروا نہیں کہ تم نے انہیں کیا بتایا ہوگا، یہ بتا دو کہ کیا وہ یہاں سے جا چکے ہیں یا ابھی تک یہیں موجود ہیں۔"

"وہ تھوڑی دیر پہلے جا چکے ہیں۔"

"بہت خوب! کتنی دیر پہلے۔" اس نے پوچھا۔

"پندرہ منٹ پہلے۔"

"اس کا مطلب ہے، وہ یہاں پہنچنے ہی والے ہوں گے۔"

"آپ کا مطلب ہے، آپ کے پاس، آپ کہاں سے بات کر رہے ہیں۔"

"اس بات کو چھوڑو، اچھا شکریہ!" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور ان سے بولا:

"پندرہ منٹ پہلے انسپکٹر جمشید ہوٹل القارون میں تھے، جب کہ میں یہاں پانچ منٹ پہلے پہنچا تھا اور ہوٹل القارون سے یہاں تک بھی تقریباً دس منٹ کا راستہ ہے، لہٰذا وہ آنے ہی والے ہوں گے، خیر ان سے بعد میں نبٹ لیں گے، ابھی تو ان کے اندر آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اب سب آ کر صحن میں جمع ہو جائیں۔"

وہ صحن میں آ گئے۔ اس نے ایک کرسی گھسیٹی اور دیوار کے ساتھ پشت لگا کر بیٹھ گیا۔ اب اس پر دائیں بائیں یا پیچھے سے حملہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ زینہ بھی اس کے سامنے تھا، اگر کوئی چھت پر پہنچ جاتا تو بھی زینے کے ذریعے نیچے آتے ہوئے وہ اسے نظر آ جاتا۔ منڈیر پر سے وہ کسی کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ ہر طرف سے اطمینان کر لینے کے بعد اس نے بلند آواز میں کہا:

"میں جانتا ہوں، میرے شکار کمروں میں بند ہیں اور انہوں نے اپنے دروازے اندر سے بند کر رکھے ہیں..... میں اگر ان سے یہ کہوں کہ وہ دروازے کھول کر میرے سامنے آ کھڑے ہوں تو وہ میری بات نہیں مانیں گے، کیونکہ جان سب کو پیاری ہوتی ہے، لیکن مصیبت یہ ہے کہ اس وقت پانچ اصل شکاروں کی بجائے میرے پستول کی زد میں دس دوسرے شکار ہیں، اب ان کی زندگیاں میرے ہاتھ میں ہیں۔ اگر میں چاہوں تو فائرنگ کر کے ان سب کو ڈھیر کر دوں، لیکن کیا اندر موجود میرے شکار یہ پسند کریں گے کہ ان کی بجائے دوسرے جان دے دیں اور وہ اندر بند رہ جائیں، دیکھنا یہی ہے کہ انصاف

کی کرسی پر بیٹھنے والا ایک جج.... جس نے سنا ہے، کبھی رشوت نہیں لی، کبھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، آج کیا کرتا ہے، اگر اس نے دروازہ نہ کھولا اور اپنی بجائے دوسروں کو مر جانے دیا تو میں یہ سمجھوں گا کہ اس جج نے آج تک کوئی فیصلہ بھی ایمانداری سے نہیں کیا تھا اور نہ میرے مقدمے کا فیصلہ انصاف سے کیا تھا..... اسی طرح سرکاری وکیل صوفی جبار نے بھی پھر بے گناہوں کو مجرم ثابت کیا ہوگا، انسپکٹر بخاری نے بھی بے گناہوں کو پکڑ پکڑ کر اندر بند کیا ہوگا۔ بیگم شیرازی کو میں کیا کہوں، انہیں تو ان کے باپ کے جرم کی سزا ملے گی.... ہاں تو کمروں میں بند حضرات.... تم سب لوگ کس حد تک انصاف پسند ہو، آج یہ بات بتا دو، ورنہ میں ایک کے بدلے میں ایک انسان کو ضرور ہلاک کروں گا اور اس صحن میں پانچ لاشیں تڑپتی نظر آئیں گی کہو..... کیا کہتے ہو؟"

پوری کوٹھی میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ صحن میں موجود لوگوں کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ باقر رضا کا پستول والا ہاتھ تن گیا۔ انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالنے لگی، پھر اسی نے سرد آواز میں کہا:

"اچھا تو میں اپنا انتقام ان لوگوں سے پورا کر رہا ہوں"

"ٹھہرو! یہ آواز جج صاحب کی تھی۔ تمام کمروں کے دروازے

صحن میں گونجے۔ سب سے پہلے جج صاحب کے کمرے کا دروازہ کھلا اور انہوں نے باہر آتے ہوئے کہا:

"میں اپنی جان بچانے کے لیے انصاف کا خون نہیں کروں گا" میں خود کو پیش کر رہا ہوں۔ میں نے اس دن بھی ناانصافی سے کام نہیں لیا تھا اور آج بھی نہیں" یہ کہہ کر وہ صحن میں اس کے پستول کی نالی کے بالکل سامنے آ گئے۔

کمروں میں بند حضرات میں سے کوئی جج صاحب کا ساتھ دے گا یا بس۔ باقر رضا نے دعوت دینے والے انداز میں کہا۔

"میں آ رہا ہوں" صوفی جبار کی آواز سنائی دی اور تھوڑی دیر بعد وہ بھی جج صاحب کے برابر آ کھڑے ہوئے۔

"لیجیے..... دو حضرات نے تو اپنے آپ کو انصاف کا بول بالا کرنے والا ثابت کر دیا، بخاری صاحب آپ کیا چاہتے ہیں؟"

دروازہ ایک بار پھر کھلا اور بخاری نے باہر آتے ہوئے کہا۔

"ہم وہ نہیں جو اپنی جان بچانے کے لیے دوسروں کو قربان کرا دیں" ابھی باقر رضا نے بیگم شیرازی کے لیے کچھ نہیں کہا تھا کہ وہ بھی دروازہ کھول کر باہر آ گئیں۔

"بہت خوب! یہ تو چاروں بہت بہادر ثابت ہوئے، لیکن مسٹر خادم حسین باہر کیوں نہیں آتے، کیا ان میں انصاف کے

جراثیم بالکل موجود نہیں۔"

خادم حسین کا دروازہ نہیں کھلا اور نہ اس نے کوئی جواب دیا۔

"انسپکٹر جمشید کے بچو.... میں نے تمہارا بہت نام سنا ہے، تم ویسے بھی اس وقت بے کار کھڑے ہو، ذرا خادم حسین کے دروازے کو تو توڑ ڈالو۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ حیران رہ گئے۔ مجرم ان سے ایک عجیب کام لینا چاہتا تھا، آج تک انہوں نے لوگوں کو بچانے کے لیے دروازے توڑے تھے، آج ایک قاتل کی خدمت میں اس کا شکار پیش کرنے کے لیے دروازہ توڑنا پڑ رہا تھا۔ تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں انہوں نے کہا، ہم کر ہی کیا سکتے ہیں.... پھر تینوں اپنی جگہ سے پیچھے ہٹے اور دوڑتے ہوئے خادم حسین کے کمرے کے دروازے سے آ ٹکرائے، دروازہ اپنی جگہ سے ہلا لیکن ٹوٹا نہیں۔

"شاباش! پھر کوشش کرو، اس وقت تک ٹکریں مارتے رہو جب تک یہ دروازہ ٹوٹ نہیں جاتا، یا پھر تمہارے کندھے نہیں ٹوٹ جاتے۔" باقر رضا نے بلند آواز میں کہا۔

تینوں ایک بار پھر پیچھے ہٹے اور باقر رضا کے قریب سے گزرتے ہوئے صحن کی دوسری دیوار تک پہنچ گئے۔ ایک بار پھر وہ

دوڑتے ہوئے آئے اور عین اس وقت جب وہ باقر رضا کے قریب سے گزرنے لگے، فرزانہ نے محمود کو باقر رضا پر پوری قوت سے دھکا دے دیا۔ فرزانہ ان کے درمیان میں تھی، محمود باقر رضا کی طرف اور فاروق دوسری طرف تھا، محمود پوری قوت سے باقر رضا سے ٹکرایا.... باقر رضا کو شاید اس کی امید ہرگز نہیں تھی۔ وہ دیوار سے ٹکرایا۔ اس کے ساتھ ہی محمود اس کے پستول والے ہاتھ سے لٹک گیا، فرزانہ تیر کی طرح ادھر آئی اور باقر رضا کے پستول والے ہاتھ پر ایک زوردار مکا مارا۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا لیکن ساتھ ہی وہ پستول اٹھانے کے لیے آگے بڑھا۔ محمود اس کے آڑے آیا، اس نے محمود کو ایک زوردار دھکا دیا، وہ فرزانہ سے ٹکرایا، دونوں دھڑام سے گرے۔ باقر رضا پستول اٹھانے کے لیے آگے بڑھا، نیچے جھکا ہی تھا کہ فاروق اس کی کمر پر پہنچ گیا، اس نے دونوں ہاتھوں سے اسے دھکا دیا، وہ اوندھے منہ پستول کے اوپر گرا اور پستول اس کے جسم کے نیچے چھپ گیا۔ یہ دیکھ کر محمود اور فرزانہ نے سنبھل کر اس کا ایک ایک بازو پکڑ لیا۔ یہ دیکھ کر فاروق نے اس کی ایک ٹانگ پکڑ لی۔

اب صرف تمہاری ایک ٹانگ رہ گئی ہے، اس سے اگر پستول اٹھا سکتے ہو تو اٹھا لو۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

○

یہی وہ منظر تھا جو انسپکٹر جمشید کو نظر آیا۔ چند لمحے تک وہ حیرت زدہ انداز میں اس منظر کو دیکھتے رہے، پھر جلدی سے زینے کی طرف بڑھے اور سیڑھیاں اترنے لگے۔ قدموں کی آواز سن کر سب نے چونک کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا اور حیران رہ گئے کہ انسپکٹر جمشید اوپر سے کس طرح آ گئے۔

ارے بھئی! یہ کیا ہو رہا ہے۔" انہوں نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہونا کیا ہے، قوم کے نونہالوں نے ایک بار پھر میدان مار لیا....." ڈی آئی جی مسکرا کر بولے۔

"کمال ہے، یہ میدان مارنے کا بھلا کونسا طریقہ ہے۔" انسپکٹر جمشید ہنسے پھر ان تینوں سے بولے:

"اب اسے چھوڑ کر ہٹ آؤ۔"

"لیکن ابا جان! اس کے نیچے پستول دبا ہوا ہے۔"

"اوہو اچھا۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور باقر رضا کے پیٹ کے نیچے سے پستول نکال کر جیب میں رکھ لیا۔

"چھوڑ دو اسے۔" انہوں نے کہا۔ تینوں نے ایک ساتھ اس کے ہاتھ پیر چھوڑ دیے۔ وہ پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور جب اس

نے دیکھا کہ انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں پستول نہیں ہے تو شیر ہو گیا۔

"پروا نہیں، میں ہاتھوں اور پیروں سے بھی اپنا انتقام لے سکتا ہوں۔"

"لیکن اب تمہیں موقع کیسے ملے گا۔"

"میں تم سب سے سمجھ لوں گا۔"

"یار رہنے دو، ان تینوں بچوں سے تو سمجھ نہیں سکے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ان تینوں سے ضرور سمجھوں گا۔" وہ خونخوار میں بولا۔

"لیکن الجبرا نہ سمجھنا، یہ مجھے نہیں آتا۔" فرزانہ بے چارگی کے لہجے میں کہا۔

"وحت تیرے کی! تم اپنے الجبرے کی ڈ" میان میں لے آیا کرو۔" محمود نے جھلا کر ران پر

اتنے میں باقر رضا ان تینوں کی طرف بڑھا۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید اس کے راستے میں آ گئے اور بولے:

"معلوم ہوتا ہے تم پر طاقت کا گھمنڈ سوار ہے، اسے اتارنا ہی پڑے گا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے تیزی سے جھک کر اس کا ایک ہاتھ پکڑا اور ایک زوردار جھٹکا دیا۔ وہ دیوار سے ٹکرایا، ہاتھ

ابھی تک انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں ہی تھا، کیونکہ انہوں نے بھی
ساتھ ہی چھلانگ لگائی تھی۔ پھر انہوں نے اسے دوسری طرف
جھٹکا دیا اور اس بار وہ فرش پہ گرا، انہوں نے اس کا ہاتھ
چھوڑ کر ایک پیر پکڑ لیا اور اسے مروڑنے لگے۔ ساتھ ساتھ
باقر رضا بھی مڑتا چلا گیا، ایک بار اس نے تڑپ کر ان کی ٹانگ
پکڑ لی اور گھسیٹنے کی کوشش کی، لیکن انہیں اپنی جگہ سے ہلا
بھی نہ سکا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے کس بل نکل چکے تھے اور وہ
کولہو کے بیل کی طرح ہانپ رہا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے اسے
گریبان سے پکڑ کر ایک صوفے میں دھکا دے دیا، خادم
حسین کو آواز دی کہ وہ بھی باہر آ جائے۔ اس کے آنے
کے بعد وہ باقر رضا سے بولے:

"سب سے پہلے تو میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تم جیل سے
کس طرح فرار ہوئے، تمہارے فرار میں کس کا ہاتھ ہے۔"

"کسی کا بھی نہیں، جیل میں بھی لوگ قاتلوں سے بہت
خوف کھاتے ہیں۔ ایک رات میں نے پہرے دار کو اپنے قریب
بلا لیا اور پھر موقع پا کر سلاخوں میں سے ہاتھ نکال کر
اس کا گلا دبوچ لیا، جب وہ بے ہوش ہو گیا تو اس کی
پیٹی میں سے چابیاں نکال لیں۔ اس سے میں نے اپنی بیڑیاں

کھولیں، پھر کوٹھڑی کا دروازہ کھولا، اسے اندر گھسیٹا اور اس
کی وردی اتار کر خود پہن لی، اپنے کپڑے اسے پہنا دیے۔
پھر پہرے داروں میں شامل ہو گیا، رات اندھیری تھی، کسی
کو پتا نہ چلا.... جب ان پہرے داروں کی ڈیوٹی ختم ہوئی
تو میں ان کے ساتھ باہر آ گیا۔" اس نے تفصیل سنائی۔

"اوہ! میں سمجھا تھا، تم جیل کے کسی آفیسر کے ذریعے
نکلے ہو، خیر.... اب یہ بتاؤ، تم نے خلیل اور بھابڑا کو
کیوں ہلاک کیا تھا۔"

"کچھ دیر پہلے میں اپنی کہانی خان صاحب کو سنا رہا تھا،
پھر میں نے کہانی درمیان میں چھوڑ دی تھی، میں نے کہا تھا،
یہ کہانی ان سب لوگوں کے سامنے سناؤں گا.... اب پھر
سناتا ہوں، تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے، میں کس حد تک
مجرم ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی کہانی شروع سے وہاں
تک سنا دی جہاں تک خان صاحب کو سنائی تھی اور پھر
کہنے لگا..... خلیل اور بھابڑا نے مجھے ہر بُرا کام سکھایا اور
نتیجہ یہ ہوا کہ باپ نے مجھے اپنی ساری دولت سے محروم
کر دیا..... اس وقت زندگی میں پہلی بار میں نے محسوس کیا
کہ میں نے خلیل اور بھابڑا کے راستے پر چل کر بہت بڑی
غلطی کی ہے، چھوٹی موٹی چوریوں کو باپ معاف کر سکتا تھا،

اس کے ایک بیٹے اور ایک بیٹی کے علاوہ اور تھا ہی کون، بیٹی کی شادی کے بعد ساری دولت میری ہی تو تھی، لیکن ان دونوں نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔ رفتہ رفتہ میری ان سے نفرت بڑھنے لگی۔ وہ مجھے اپنی بربادی کے ذمے دار نظر آنے لگے، ان کے خلاف میرا غصہ روز بروز بڑھنے لگا پھر میں نے ایک پٹھان سے ایک پستول خرید لیا، اسے کچھ پیسوں کی شدید ضرورت تھی اور مجھے پستول کی، وہ مجھے ہوٹل القارون میں ہی مل گیا تھا، اب میں ہر وقت بھرا ہوا پستول اپنی جیب میں رکھنے لگا.... اور پھر ایک دن جب میں ان سے تاش کھیل رہا تھا، میں نے غیر محسوس طور پر پستول نکال لیا اور بغیر کسی بات کے ان پر گولیاں چلا دیں..... پھر پستول وہیں پھینک کر بھاگ گیا۔ بعد میں انسپکٹر بخاری نے وہ پستول قبضے میں کر لیا اور مجھے بھی ڈھونڈ نکالا، میں اپنے باپ کے ایک فالتو مکان میں چھپ گیا تھا۔ سرکاری وکیل صوفی جبار ہے، انہوں نے بھی مجھے سنگ دل قاتل قرار دیا، میں نے انہیں لاکھ اپنی بے گناہی کا یقین دلایا مگر انہوں نے میری ایک نہ سنی۔ جج صاحب کو بھی مجھ پر رحم نہ آیا، جب انہوں نے مجھے عمر قید کی سزا سنا دی تو میں نے بھی دل میں ٹھان لی کہ کسی نہ کسی

طرح جیل سے فرار ہو کر ان سب لوگوں سے انتقام لوں گا، جنہوں نے میری زندگی برباد کی ہے، قدرت نے مجھے ایک موقع عطا کر دیا اور میں جیل سے بھاگ نکلا، لیکن افسوس! میری تمام ہوشیاری کے باوجود ان تین بچوں نے مجھ پر فتح حاصل کر لی.... کاش میں نے انہیں دروازہ توڑنے کے لیے نہ کہا ہوتا، یہ تھی میری کہانی، اب آپ لوگ ہی انصاف کریں، آخر میرا کیا قصور ہے۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا.... انسپکٹر جمشید چند لمحے تک سوچ میں گم رہے، پھر بولے!

"یہ ٹھیک ہے کہ قصور تمہارے باپ کا بہت زیادہ ہے، اتنی دولت کے ہوتے ہوئے انہوں نے جیب خرچ کے معاملے میں تنگ کیوں رکھا، تمہارا حق کیوں مارا، تم دوسرے بچوں کو خرچ کرتے دیکھتے ہو گے تو تمہارے دل میں بھی ہوک سی اٹھتی ہو گی" اس ہوک نے باپ کی تجوری میں سے چوری پر اکسایا ہو گا، یہاں تک تو ٹھیک ہے، لیکن جو تم نے دوسروں کے ہاں چوریاں شروع کر دیں، قانون تو اس کا ذمے دار تمہیں ہی ٹھہرائے گا، ٹھیک ہے، جرم تمہارے باپ کا بھی ہے، لیکن قانون تو اسے صرف سمجھا ہی سکتا تھا، دوسرے یہ کہ جب تمہیں سزا مل گئی تو باپ کو بھی عقل آ گئی ہو گی، ان جیسے دوسرے

بابوں کو بھی عقل آئی ہو گی، معاملہ اگر چوریوں تک ہی رہتا تو بھی کوئی بات نہیں تھی .... تم تو قتل تک جا پہنچے .... جہاں تک میں سمجھتا ہوں، تم عقل مند ہونے کے ساتھ ساتھ بے وقوف بھی بہت ہو۔ اور کسی چالاک آدمی نے تمہیں بے وقوف بنانے کی کوشش کی ہے۔"

"کیا مطلب؟" باقر رضا زور سے چونکا۔

"خلیل اور بھابڑا کے خلاف نفرت تمہارے دل میں خود بخود پیدا نہیں ہوئی ہو گی، یہ نفرت ضرور کسی اور نے پیدا کی ہو گی، اس نے روز روز تم سے یہ کہنا شروع کیا ہو گا کہ تمہاری زندگی برباد کرنے والے خلیل اور بھابڑا ہیں، ان دونوں کو اس دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں، انہیں ختم کر دینا نیکی کا کام ہو گا، کیونکہ وہ نہ جانے اور کتنے نوجوانوں کو گمراہ کریں گے..... جب تمہارے کانوں نے یہ جملے روزانہ سنے ہوں گے تو تم نے یہ سوچنا شروع کر دیا ہو گا کہ واقعی.... میری زندگی کو تباہ و برباد کرنے والے یہ دونوں ہی تو ہیں.... کیوں نہ انہیں ختم کر دیا جائے۔ یہ سوچ تمہارے ذہن میں جڑ پکڑ گئی ہو گی، یہی وجہ ہے کہ اس دن تم نے بغیر کسی بات کے ان دونوں پر گولی چلا دی۔ کسی نے لڑائی جھگڑے کی آواز نہیں سنی، تم تینوں کے درمیان تو تو میں میں بھی نہیں ہوئی.... کیا کوئی ایسا شخص موجود

جود ہے جس نے تم سے یہ بات روزانہ کہی ہو، کیونکہ یہ صرف
زہ ہے، جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، تم ذہنی بیمار ہو اور
نی بیمار سے اس قسم کے کام لیے جا سکتے ہیں۔ ان کے ذہن میں
ی بات آسانی سے بٹھائی جا سکتی ہے.... تمہاری طبیعت میں
تقام کا جذبہ بھی بہت ہے، اس شخص نے بھی یہ بات معلوم
رلی تھی، اس نے تمہاری طبیعت کو اور ذہنی بیماری کو پڑھ
یا تھا، بس اس نے تم سے یہ جملے کہنے شروع کر دیے اور
ر یہ بات تمہارے ذہن میں جڑ پکڑ گئی، یہاں تک کہ تم نے
ن دونوں کو قتل کر دیا.... کیا کوئی ایسا شخص موجود ہے...."
یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے اور باقر رضا کی طرف بغور دیکھنے
لگے، دوسرے بھی حیرت زدہ سے انداز میں اس کی طرف دیکھنے
لگے۔ اس کے چہرے کی کیفیت عجیب سی تھی، ایک رنگ آ رہا
تھا تو دوسرا جا رہا تھا، پھر اچانک اس نے کہا:

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، میں نے آج تک یہ بات نہیں سوچی تھی، مجھ سے یہ بات تقریباً ہر روز ہی کہی جاتی رہی کہ خلیل اور بھابڑا دونوں نے میری زندگی برباد کی ہے، انہیں اس دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں.... انہیں مر جانا چاہیے.... بلکہ انہیں تو ختم کر دینا چاہیے.... اور پھر میں نے ان دونوں کو ہلاک کر دیا۔"

"بہت خوب! میرا یہی اندازہ تھا، میں صوفی جبار صاحب، خادم

حسین صاحب اور کاؤنٹر کلرک کے بیانات سن کر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ تم نے یہ قتل کسی خاص وجہ کے تحت کیا ہے اور اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ وہ خاص وجہ کیا تھی.... ہاں تو اس شخص کا نام کیا ہے جو تم سے یہ کہتا رہا ہے کہ خلیل اور بھابڑا کو قتل کر دینا چاہیے، انہوں نے تمہاری زندگی کو برباد کیا ہے۔"

"وہ شخص اس وقت میرے سامنے بیٹھا ہے.... یہی وہ شخص ہے جو میرے غیرت دلانے پر بھی کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا جب کہ دوسرے چاروں حضرات کمروں سے باہر نکل آئے تھے کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں ان کی بجائے دوسرے لوگوں کو مار ڈالوں، لیکن اس نے اس کی پروا نہیں کی، یہ ہے وہ شخص خادم حسین جس کا نام ہے۔" اس نے انگلی اٹھا کر کہا۔

"یہ کیا بکواس ہے، بھلا مجھے کیا ضرورت تھی انہیں ہلاک کرانے کی۔" خادم حسین نے جھلا کر کہا۔

"ضرورت ہو گئی تبھی تم یہ الفاظ اس کے کانوں میں ڈالتے رہے، یہ بے چارہ بنیادی طور پر تو مجرم نہیں ہے، اسے تو باپ کی ناانصافی نے مجرم بنایا ہے..... لیکن تم ہو بڑے گھاگ آدمی، گھاٹ گھاٹ کا پانی تم نے پی رکھا ہے...."

"لیکن جناب انسپکٹر صاحب.... عدالت میں آپ یہ بات کس طرح ثابت کر سکیں گے۔"

"ان سب لوگوں کے سامنے باقر رضا اس بات کو میرے منہ سے سن کر چونک اٹھا تھا جیسے اسے یہ بات پہلی بار سمجھ میں آئی ہو اور پھر اس نے یہ بات مان لی تھی..... میں نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ کیا وہ شخص خادم حسین ہے، بلکہ میں نے اس سے یہ پوچھا تھا کہ وہ شخص کون ہے ..... اور اس نے تمہارا نام لیا تھا.... میرے خیال میں یہ ثبوت بہت کافی ہے، اس کے علاوہ بھی ایک ثبوت آنے والا ہے۔"

"ثبوت آنے والا ہے، ابّا جان! یہ ثبوت صاحب نے چلنا پھرنا کب سے شروع کر دیا۔" فاروق نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"یار وہ خود نہیں آ رہا۔ بلکہ اکرام لے کر آتا ہی ہو گا، جاؤ جا کر دروازہ کھول دو۔"

"یہ کام تو محمود کیا کرتا ہے، دروازہ کھولنے کا ماہر جو ہوا۔" فاروق نے شوخ انداز میں مسکرا کر کہا۔

"اور تم سے بڑا کام چور میں نے زندگی میں نہیں دیکھا۔" محمود نے جھنجلا کر کہا۔

"چلو! زندگی کے بعد دیکھ لینا، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی اور محمود کو اٹھنا

ہی پڑا، جلد ہی وہ اکرام کے ساتھ اندر آیا - اکرام کے ہاتھ
میں ایک بہت پرانی فائل تھی۔

"اس فائل میں خلیل، بھابڑا اور خادم حسین کی تصویریں موجود
ہیں جناب، کسی زمانے میں یہ تینوں ایک گروپ کی صورت میں
سمگلنگ کیا کرتے تھے، پولیس انہیں گرفتار نہیں کر سکی تھی، لیکن
وہ ان کی تصاویر کہیں نہ کہیں سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو
گئی تھی، لیکن پھر یہ تینوں بالکل غائب ہو گئے - حالات یہ
بتاتے ہیں کہ سمگلنگ کے پیسے سے خادم حسین نے یہ ہوٹل بنا
لیا، خلیل اور بھابڑا کو مددگاروں کے طور پر اپنے پاس رکھ لیا،
شاید وہ اسے تنگ کرنے لگے.... آخر وہ اس کے راز دار تھے
.... کسی وقت بھی پولیس کو یہ بتا سکتے تھے کہ خادم حسین وہی
سمگلر ہے جسے پولیس گرفتار نہیں کر سکی تھی.... یہی وجہ تھی کہ اس
نے ان دونوں کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا، اکرام نے بتایا -

"اور یہ قتل اس نے اس قدر عجیب طریقے سے کیے کہ آج تک
شاید ہی کسی نے اس طرح کسی کو ہلاک کیا ہو گا.... کیا فائل کی
تصویر میں اور اس میں کوئی فرق ہے" انسپکٹر جمشید بولے -

"جی ہاں! انہوں نے چہروں میں کسی قدر تبدیلیاں کر لی تھیں
.... نام بھی تبدیل کر لیے تھے، فائل میں ان تینوں کے نام کچھ
اور ہیں" اکرام نے بتایا - انسپکٹر جمشید نے فائل اس سے لے کر

دیکھی اور پھر کچھ دیر بعد بولے:

"لیجیے جج صاحب.... یہ بات ثابت ہو گئی کہ خلیل اور
بھابڑا کا اصل قاتل وہ نہیں جسے ہم سمجھتے رہے.... اب امید
ہے کہ اس کی سزا میں کمی ہو جائے گی اور نئے قاتل کو سزا
ضرور ملے گی"

"آپ کا خیال ٹھیک ہے.... صوفی جبار صاحب اس کیس
کو اب دوبارہ شروع کریں گے" جج صاحب بولے -

سادہ لباس والوں نے دونوں مجرموں کو حراست میں لے لیا
.... باقر رضا اب اس طرح پرسکون نظر آ رہا تھا جیسے اس نے
کبھی کوئی جرم کیا ہی نہ ہو -

"کیوں فاروق.... کیا اب بھی تمہارے خیال میں یہ ایک فضول
کیس ہے" محمود نے مسکرا کر پوچھا -

"کیا مطلب" انسپکٹر جمشید چونکے -

"فاروق کا کہنا تھا کہ یہ کیس فضول ترین کیس ہے، کیونکہ اس
میں کسی مجرم کا کھوج لگانے کی ضرورت نہیں ہے"

"اوہ تو یہ بات تھی.... ہاں بھئی، اب تم کیا کہتے ہو" انسپکٹر
جمشید نے بھی مسکرا کر کہا -

"جی.... کہنا کیا ہے.... اب اس کیس کے فضول پن میں ذرا
کمی واقع ہو گئی ہے.... جیسے باقر رضا صاحب کی سزا میں کمی

واقع ہو جائے گی.... لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ یہ جو ہماری راتوں کی نیند میں کمی واقع ہو رہی ہے، اس کمی کو کون پورا کرے گا.... کہیں راتوں کو کیس حل کر کر کے ہم ذہنی بیمار نہ بن جائیں۔"

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر فاروق کی ران پر ہاتھ مارا اور وہ تلملا اٹھا:

"اب تمہارے دھت تیرے کی کا نشانہ بہت خطا جانے لگا ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا اور سب مسکرانے لگے۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۳۹

کالا طوفان

مصنف: اشتیاق احمد

- ایک بدحواس آدمی نے انسپکٹر جمشید کو ایک لفافہ دیا اور باہر نکل گیا۔
- فوراً ہی پستول کا دھماکا ہوا اور اس شخص کی لاش تڑپنے لگی۔
- انسپکٹر جمشید باہر آئے تو انہیں ایک جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔
- فرزانہ کی بتی سومی کا کارنامہ۔
- کالا طوفان کون تھا؟
- آخر میں کالا طوفان جب آپ کے سامنے آئے گا تو آپ دھک سے رہ جائیں گے۔
- ۲۰ اپریل کو پڑھیے۔ قیمت: دس روپے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود ، فاروق ، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۴۸

اندھی قید

مصنف : اشتیاق احمد

- فاروق نے ایک خواب دیکھا تھا ۔
- اور جب اس کا خواب سچا ثابت ہوا تو وہ ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہو چکے تھے ۔
- موت انھیں اپنے چاروں طرف نظر آنے لگی ۔
- مجرموں نے ایک ہولناک منصوبہ بنایا تھا ۔
- ایک خدا ترس نواب سے ملیے ، وہ مصیبت زدہ لوگوں کو اپنے گھر میں پناہ دیتا تھا ۔
- آخر میں انسپکٹر جمشید نے مجرموں کو کس طرح پکڑا ۔
- محمود ، فاروق اور فرزانہ کی نئی کارگزاریاں ۔
- ۲۰ اپریل کو پڑھیے — قیمت : دس روپے ۔